DAMAGE BOOK

UNIVERSAL LIBRARY
OU_222548
UNIVERSAL LIBRARY

فہرست

روحانیات

Checked 1978

جلد اوّل

شاعر	عنوان نظم	صفحہ
شمس العلما مولینا الطاف حسین حالی	ولادت رحمۃ للعالمین	۳
" " " " "	واعظوں کی حالت	۸
" " " " "	مسلمانوں کی تعلیم	۱۰
مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی	شب برات	۱۲
" " " " "	عید الفطر	۱۳
لسان العصر سید اکبر حسین صاحب اکبر الہ آبادی۔	مسلمانوں کی حالت میں انقلاب	۱۴
" " " " "	ماسوا کا خوف	۱۵
" " " " "	برق کلیسا	۱۷
" " " " "	مسلمانوں کا فسانہ	۱۸
شمس العلما ڈاکٹر ڈپٹی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی۔ ڈی۔ او۔ ایل دہلوی	دنیا کی بے ثباتی	۲۰
" " " " "	مفلسی	۲۲

شمس العلما ڈاکٹر ڈپٹی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی او۔ایل دہلوی۔	دین و دنیا	۲۲
	ہم اور اسلاف	۲۹
" " " "	ایضاً	۳۰
	خطاب بہ مسلم	۳۴
علامہ شبلی نعمانی	قوم سے خطاب	۳۵
" "	ہجرت نبوی	۳۶
" "	تعمیر مسجد نبوی	۳۷
" "	اہل بیت کی زندگی	۳۸
" "	ایثار کی اعلیٰ نظیر	۳۹
" "	مساوات اسلام	۴۰
" "	نوحہ	۴۲
" "	خواتین عرب کا ثبات	۴۳
ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال ایم اے۔پی ایچ ڈی۔ بار ایٹ لا۔ ایم۔ایل سی	دنیائے اسلام	۴۵
" " " "	ترلقمہ	۴۶
" " " "	شمع و شاعر	۴۷
" " " "	طلوع اسلام	۵۱
" " " "	شکوہ	۵۴
" " " "	جواب شکوہ۔	۶۱
" " " "	تحفۂ امت	۶۹

ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال - ایم اے - پی - ایچ - ڈی - بار ایٹ لا - ایم - ایل سی	فاطمہ	۷۰
" " "	بلاد اسلامیہ	۷۰
" " "	ترانہ مسلم	۷۲
" " "	ہلال عید	۷۳
" " "	ایک حاجی مدینہ کی راہ میں	۷۳
" " "	شفاخانہ حجاز	۷۴
" " "	ایثار صدیق رضی	۷۵
" " "	خطاب بہ مسلم	۷۶
" " "	جزیرہ سسلی	۷۶
حضرت اصغر گونڈوی	نعت شریف	۷۸
جناب نجم	تنبیہ مسلم	۸۰
آغا حشر کاشمیری	شکریہ یورپ	۸۱
" "	موج زمزم	۸۴
حضرت مولینا ظفر علی خاں صاحب بی اے مدیر "زمیندار"	شمع حرا	۸۷
" " "	مسلم	۸۸
" " "	اخلاق مرتضوی	۸۹
" " "	سواراج	۹۱

مولٰینا احسان اللہ خان صاحب تاجور	دعا	۹۲
پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد و پریم		
〃 〃 〃 〃	ہلال عید	۹۳
مسٹر تلوک چند صاحب محروم بی اے	دیپ مالا	۹۵
〃 〃 〃 〃	یادِ سلف	۹۶
〃 〃 〃 〃	ہولی	۹۷
〃 〃 〃 〃	سری رام چندر جی مہاراج	۹۸
〃 〃 〃 〃	محبت کا اوتار	۹۹
مولٰینا عبد المجید صاحب سالک بی اے	درسِ عمل	۱۰۰
مدیر "انقلاب"		
حضرت نیاز فتحپوری مدیر "نگار"	مسلمانوں سے خطاب	۱۰۲
〃 〃 〃	صدا الصحرا	۱۰۴
〃 〃 〃	غم	۱۰۵
مولٰینا سید غلام بھیک صاحب نیرنگ۔	پیغامِ عمل	۱۰۶
بی اے۔ ایل ایل بی وکیل انبالہ		
〃 〃 〃	صدائے اسلام	۱۰۸
〃 〃 〃 〃	حالتِ قوم	۱۰۹
محترمہ ز۔خ۔ش صاحبہ مرحومہ	آزادیِ نسواں اور اسلام	۱۱۰
〃 〃 〃 〃 〃	پیکِ خیال	۱۲۰

محترمہ ز-خ-ش-صاحبہ مرحومہ	زمزمہ حیات	۱۲۴
حضرت اصغر حسین صاحب نظیر لدھیانوی۔	ظہور اسلام	۱۲۵
" " " "	خطاب بہ مکہ	۱۲۸
" " " "	ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السّلام	۱۲۸
" " " "	عورت سے خطاب	۱۲۹
مولینا غلام رسول صاحب مہر بی اے۔ مدیر "انقلاب"	ارمانِ عشق	۱۳۰
حضرت نشتر جالندھری۔	ایثار نبویؐ	۱۳۱
" " " "	سلام نیاز بہ حضورؐ شاہِ حجاز	۱۳۱
حضرت سیماب اکبر آبادی۔ مدیر "پیمانہ"	ایثار بتولؓ	۱۳۳
" " " "	استغاثہ	۱۳۴
چودھری خوشی محمد صاحب ناظر بی اے سابق گورنر کشمیر	جوگی	۱۳۸
مسٹر پیارے لال شاکر میرٹھی	زمزمہ توحید	۱۴۲
لالہ سورج نرائن صاحب مہر دہلوی	انعام الٰہی	۱۴۵
منشی درگا سہائے صاحب سرور جہان آبادی	زمزمہ توحید	۱۴۷
خان احمد حسین خاں صاحب بی اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس مدیر "شباب اردو"	حمد	۱۴۹

منشی مہاراج بہادر صاحب برق دہلوی	ہمہ اوست	۱۵۱
" " "	شانِ حق	۱۵۲
" " "	جلوہ قدرت	۱۵۳
حضرت احسن مارہروی	نغمہ درگاہ الٰہی	۱۵۵
حکیم احمد شجاع انصاری بی اے علیگ	آنکھیں مری تجھ کو ڈھونڈتی ہیں	۱۵۶
خواجہ عبد السمیع صاحب پال اثر صہبائی بی اے ایل ایل بی	صبح و شام	۱۵۷
میاں بشیر احمد صاحب بی اے بیرسٹر ایٹ لا ایڈیٹر "ہمایوں"۔	ترانہ حمد	۱۵۸
جناب امیر بدایونی	حرم	۱۵۹

مذہبی نظمیں

نیچرل اور اخلاقی نظموں کی طرح مذہبی نظم بھی کوئی نئی ایجاد و اختراع نہیں۔ اردو شاعری کے ابتدائی و ابجدی دور میں بھی اسکی کافی و وافی مثالیں ملسکتی ہیں۔ لیکن غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جب آئی تباہ ہوئی مسلمانوں کی رہی سہی دولت کا خاتمہ ہوگیا۔ امراء و شرفا کی اولاد افلاس و نکبت میں مبتلا ہوکر طرح طرح کی بداخلاقیوں کی عادی ہوگئی۔ اسوقت جہاں تہذیب تمدن علم و اخلاق کے ہر شعبہ میں اصلاح کی ضرورت کو محسوس کیا وہیں ہماری شاعری میں بھی اختراع و اصلاح کی قطع برید شروع ہوگئی۔ اخلاق و تمدن کے لحاظ سے یہ دور جسطرح قابل افسوس تھا۔ اسیطرح شاعری بھی مبالغہ طرازی بلکہ فحش گوئی کی حد تک پہونچ چکی تھی۔ قوموں کے انحطاط و زوال کیوقت کسی چیز کی اصل فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ اس روح حیات مضمحل و افسردہ ہوجاتی ہے۔ لہذا ہماری شاعری میں اسوقت بھی حمد و نعت اور مواعظ حسنہ کی کمی نہ تھی۔ جو کچھ کمی تھی۔ وہ جوش اور خلوص کی جو ہر فکر و عمل کی اصل روح ہے۔

اس زمانہ میں جہاں ہر شعبۂ زندگی اصلاح و تہذیب میں مختلف مصلحان قوم نے مختلف تدابیر اور مختلف راہیں اختیار کیں۔ وہیں مولانا نے بھی مسدس مد و جزر اسلام لکھکر اردو شاعری کے سرد قالب میں جوش صدق کی روح دوڑادی۔ اس نظم میں آپ اُس دور کے مذاق شاعری کے متعلق لکھتے ہیں ؎

وہ شعر و قصائد کا ناپاک دفتر — عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر
زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر — ملک جس سے تھراتے ہیں آسماں پر
ہوا علم سب جس سے تاراج سارا
وہ علموں میں علم ادب ہے ہمارا
برا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے — عبث جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے

تو وہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے　　مقرر جہاں نیک و بد کی سزا ہے
گنہگار واں چھوٹ جائینگے سارے
جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

سخن جو ہے یاں آج حصہ ہمارا　　نہیں قوم کو ظاہرا جس سے چارا
ہر اک کذب و بہتان ہی جس میں گوارا　　مجسّم ہو اس کا اگر جھوٹ سارا
بنے ہند میں اس سے اور اک ہمالا
ہمالہ سے ہو جس کی چوٹی دوبالا

زمانہ میں جتنے قلی اور نفر ہیں　　کمائی سے اپنی وہ سب بہرہ ور ہیں
گویئے امیروں کے نورِ نظر ہیں　　ڈفالی بھی لے آتے کچھ مانگ کر ہیں
مگر اس تپِ دِق میں جو مبتلا ہیں
خدا جانے وہ کس مرض کی دوا ہیں

جو سقّے نہ ہوں جی سے جائیں گذر سب　　ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب
بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب　　جو ٹھٹر جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب
یہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

اس طرزِ سخن میں کامیابی سے کہنے والوں کے نام یہ ہیں حشر۔ نادر۔ ظفر علی اقبال۔ نیاز۔ تاجور۔ محروم۔ چک بست سرور۔ اکبر۔ شائق۔ نیرنگ۔ جوش۔ سالک برق۔ سیماب۔ عزیز۔ وفا۔ نشتر۔ میر۔ حامد علی۔ اختر علی۔ اختر شیرانی۔ بشیر احمد۔ عابد۔ دل محمد۔ فاخر۔ نظر۔ نظیر لودھیانوی محمد علی جوہر۔ ز۔ خ۔ ش۔ وغیرہ

ان حضرات کے کلام کا انتخاب اس سلسلہ کی تمام جلدوں میں موضوع کے لحاظ سے اپنی اپنی جگہ ملیگا۔ اس حصے میں صرف نظموں کا انتخاب درج کیا جاتا ہے۔ جسکا موضوع مذہب رہ سکتا ہے۔ لہذا اس حصہ میں ذیل کے شعرا کا کلام درج کیا جاتا ہے۔

حالی۔ اسمٰعیل۔ اکبر۔ ڈپٹی نذیر احمد۔ شبلی۔ اقبال۔ اصغر۔ جوہر۔ حشر۔ ظفر۔ تاجور۔ محروم۔ سالک۔ میر۔ نیاز۔ نیرنگ۔ ز۔ خ۔ ش۔ وفا۔ نظیر۔ نشتر۔ سیماب۔ علامہ

حآلی

(ولادت رحمۃ للعالمین)

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت　　بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت　　چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیلؑ اور[1] نوید مسیحاؑ

ہوئے محو عالم سے آثار ظلمت　　کہ طالع ہوا ماہِ برج سعادت
نہ چھٹکی مگر چاندنی ایک مدت　　کہ تھا ابر میں ماہتاب رسالت

یہ چالیسویں سال لطف خدا سے
کیا چاند نے کھیت غارِ حرا[2] سے

---

[1] یہ اُس حدیث کیطرف اشارہ ہے جسمیں آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں اپنے دادا ابراہیمؑ کی دعا اور اپنے بھائی عیسےٰؑ کی بشارت ہوں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے جیساکہ سورۂ بقر کے رکوع ۱۵ میں ہے دعا کی تھی کہ الٰہی مکہ والوں میں ایک نبی اُنہیں میں سے بھیج - اور حضرت عیسٰیؑ نے جیساکہ سورۂ صف کے پہلے رکوع میں اور انجیل یوحنّا کے پہلے باب میں ہے اپنے کو بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا جس کا نام فارقلیط یعنے احمد ہوگا +

[2] کوہ حرا مکہ سے ۳ میل ہے جسمیں ایک غار ہے جہاں آنحضرت صلعم قبل بعثت ذکر و فکر کیا کرتے تھے +

وہ نبیوں میں رحمت[1] لقب پانیوالا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا

فقیروں[2] کا ملجا ضعیفوں کا ماوےٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولےٰ

خطاکار سے درگذر کرنے والا — بداندیش کے دل میں گھر کرنیوالا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا — قبائل کا شیر و شکر کرنے والا

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا[3] ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کُندن[4] بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جسپہ قرنوں سے تھا جہل چھایا — پلٹ دی بس اک آن میں اُسکی کایا[5]

رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

وہ فخرِ عرب زیبِ محراب و منبر — تمام اہلِ مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسبِ فرمانِ داور — سوئے دشت اور چڑھ کے کوہِ صفا[6] پر

---

[1] یہاں قرآن مجید کی آیۃ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن کیطرف اشارہ ہے۔

[2] ملجا بمعنی جائے پناہ۔ ماوے بمعنی ٹھکانہ والی بمعنی مالک۔ مولےٰ بمعنے والی۔ [3] یہ استعارہ ہے قرآن شریف کی طرف۔ [4] یعنی گمراہی اور ضلالت خداپرستی سے تبدیل ہوگئی۔ [5] کایا کا لفظ اردو میں بمعنی ماہیت کے مستعمل ہوتا ہے۔ [6] صفا اور مروہ مکہ میں دو پہاڑیاں ہیں جنکے بیچ میں حاجیوں کو سات بار بے دسپے دوڑنے کا حکم ہے حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ ماجدہ ہاجرہ پر جب یہاں سخت حالت گذری تھی تو وہ قلق اور اضطراب کی حالت میں اس مقام پر سرگشتہ و پریشان دوڑتی تھیں۔ اسی بنا پر مسلمانوں کو یہاں دوڑنے کا حکم ہوا ہے۔

یہ فرمایا سب سے کہ "اے آل غالب[1]
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کاذب"

کہا سب نے "قول آجتک کوئی تیرا | کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا"
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا | تو باور کروگے اگر میں کہوں گا

کہ فوج گراں پشت کوہِ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پاکر

کہا "تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے | کہ بچپن سے صادق ہے تو اور امیں[2] ہے"
کہا گر مری بات یہ دل نشیں ہے | تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے

کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانیوالا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی | عرب کی زمیں جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن[3] سب کے دل میں لگادی | اک آواز میں سوتی بستی جگادی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

---

[1] قریش کے اکثر قبائل خصوصاً بنی ہاشم اور بنی امیہ غالب کی اولاد ہیں۔ غالب رسول خدا کے دادا کا نام ہے جو کہ عدنان سے گیارہ پشت نیچے ہیں +

[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ سبب انکی نیکی۔ سچائی اور دیانت کے ابتدا ہی سے امین کا لقب حاصل ہو گیا تھا اور آپ کو بعثت سے پہلے سب لوگ محمد الامین کہہ کر پکارتے تھے + [3] لگن کسی قسم کے لگاؤ یا تعلق کو کہتے ہیں [4] میدانوں اور پہاڑوں میں ایک مرتبہ بلند آواز سے پکارنے پر وہی آواز بار بار سنائی دیتی ہے اسکو گونجنا کہتے ہیں +

سبق پھر شریعت کا اُن کو پڑھایا — حقیقت کا گُر اُن کو ایک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا — بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا
کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اُٹھا کر

کسی کو ازل کا نہ تھا یاد پیماں[1] — بھلائے تھے بندوں نے مالک کے فرماں
زمانے میں تھا دورِ صہبائے بطلاں[2] — مئے حق سے محرم نہ تھی بزمِ دوراں
اچھوتا[3] تھا توحید کا جام اب تک
خمِ معرفت کا تھا منہ خام اب تک

نہ واقف تھے انساں قضا اور جزا[4] سے — نہ آگاہ تھے مبدا و مُنتہا سے
لگائی تھی ایک اک نے لو ماسوا[5] سے — پڑے تھے بہت دور بندے خدا سے
یہ سُنتے ہی تھرّا گیا گلّہ سارا
یہ راعی[6] نے للکار[7] کر جب پکارا

---

[1] اسجگہ پیمان سے مراد پیمانِ اَلَسْت ہے جسکا اشارہ قرآن مجید کی اس آیۃ میں ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوا بَلٰے ٭ [2] یعنی ضلالت و گمراہی کا دَور دَورہ تھا ٭ [3] اچھوتا اُسکو کہتے ہیں جسکو کسی نے ہاتھ نہ لگایا ہو اور کسی نے استعمال نہ کیا ہو۔ پس یہ مقصود ہے کہ جس توحید کی اسلام نے تعلیم دی وہ ادیان سابقہ کے حصہ میں نہیں آئی تھی [4] یعنی کفّارِ عرب قیامت کے منکر تھے ٭ [5] صوفیہ کی اصطلاح میں ذات باری کے سوا جو کچھ ہے اُسکو ماسوا کہتے ہیں اور اس مصرع میں طنزاً معشوق مجازی سے مراد لیگئی ہے [6] راعی چرواہا۔ ریوڑ کا رکھوالا اس لفظ کا اطلاق صحف آسمانی میں اکثر انبیا علیہم السّلام پر کیا گیا ہے [7] للکارنا رُعب ناک آواز سے پکارنے کو کہتے ہیں ٭

کہ[1] ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق — زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں — مہ و مہر ادنےٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں — نبی اور صدیق[2] مجبور ہیں واں

نہ پرسش ہے رہبان[3] و احبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

تم اوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا — کسی کو خدا[4] کا نہ بیٹا بنانا
مری حد سے رتبہ نہ میرا بڑھانا — بڑھا کر[5] بہت تم نہ مجھکو گھٹانا

---

[1] توحید کی تعلیم جیسی روشن آنحضرت نے دی اس سے پہلے کسی نبی نے نہیں دی +

[2] صدیق نہایت سچا انبیا پر پہلے ایمان لانیوالا اور اپنی تمام زندگی راستبازی میں بسر کرنیوالا +

[3] رہبان عیسائیوں کے درویش - احبار یہودیوں کے علمائے دین - ابرار نیک بندے - احرار جو سوائے خدا کے سب چیزوں سے آزاد اور بے تعلق ہوں + [4] یہ حدیث ذیل کا ترجمہ ہے :-

لا تعزونی کما اعزت النصاری بن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبد اللّٰہ و رسولہ

[5] یعنے اُمت مسیحیہ کی طرح تم مجھ کو بڑھا کر الوہیت کے درجہ تک نہ پہنچانا کیونکہ اس سے دین کے مخالفوں کو طعن کا موقعہ ملتا ہے اور دین کی تحقیر ہوتی ہے - پس انبیاء کو اُنکی حد سے بڑھا دینا گویا اُنکے رتبہ کو دنیا کی نظر میں گھٹا دینا ہے :-

سب انسان ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں میں بھی ایک اسکا بندہ

بنانا نہ تربت کو میری صنم تم ‫—‬ نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم ‫—‬ کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ[۵] بھی ہوں اسکا اور ایلچی بھی

واعظوں کی حالت

زہر دل کا جب کہ واعظ نے لیا سارا اُگل ‫—‬ اور نہ کوئی تیر باقی اُسکے ترکش میں رہا
سُن کے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس ‫—‬ ہو زباں تیرے دہن میں پاسبانِ جاں گرا
چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پہ ‫—‬ تو نے چاکِ پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا
خردہ گیری کیلئے حاضر ہے شاعر کا کلام ‫—‬ اس سے کیا مطلب کہ ہو وہ بندۂ حرص و ہوا
تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہیں ‫—‬ پھنس رہا ہو ورنہ اس پھندے میں ہر شاہ و گدا
کھیلتے پھرتے ہیں میدانِ جہاں میں سب شکار ‫—‬ آڑ میں ٹٹی کی لاکھوں اور ہزاروں برملا
حرص ہوتی جسم میں انسان کے گر جائے خون ‫—‬ شاعروں سے تیرے چہرے کی دمک ہوتی سوا
میں نے اِن آنکھوں سے اے واعظ لباسِ وعظ میں ‫—‬ جو فروشی کرتے دیکھے ہیں بہت گندم نما
خبط ہے اک تمکو (کہدوں گر بُرا مانو نہ تم) ‫—‬ آپ ہو بیمار اور اوروں کو دیتے ہو دوا

۵ جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہے قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی

آپ میں تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع
خوبیاں سب کچھ سہی ۔ پر دل کا مالک ہے خدا

میں بتاؤں آپکو اچھوں کی کیا پہچان ہے
جو ہیں خود اچھے وہ اوروں کو نہیں کہتے بُرا

بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف
مونھ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پہلو ملا

ترک اولی پر فضیحت جسقدر کرتا ہے تو
قتل انساں پر نہیں ملتی کہیں ایسی سزا

ہے فقط دوزخ تیری سرکار میں جنت نہیں
چوک جس سے ہو گئی کچھ، پھر نہیں تو بخشتا

عاصیوں کی مغفرت جن سے نکلتی ہے صریح
ایسی آیات اور حدیثوں سے ہے تو جی میں خفا

گر خدا بھی واعظو! ہوتا نہیں سا سخت گیر
اس چمن کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا پھلا

گرم بازاری اسی میں اپنی بس سمجھے ہو تم
لوگ ہوں بدراہ اور اُن کے بنو تم رہنما

چاہتے ہو تم یہاں کثرت معاصی کی یونہیں
ہیں اطبا چاہتے جس طرح امراض اور وبا

آپ اُن باتوں کو اک بہتان سمجھیں گے مگر
سوجھتی اکثر نہیں انسان کو اپنی خطا

جو کہوں میں اسکو باور کر نہیں اسمیں خلاف
شاعروں کے کذب سے بدتر ہے واعظ کی ریا

یہ بھی کوئی جھوٹ ہے ہم جسکے خود ہیں معترف
جھوٹ وہ ہے جو ہو پردے میں تقدس کے چھپا

دعوتوں میں سچ بتا جس شوق سے جاتا ہے تو
ایک بھی کی ہے نماز اُس شوق سے تو نے ادا

یاد ہے وہ تیرا کہنا دیکھ کر کھانے چنے
دین[1] قائم ہے ابھی یارو کرو شکر خدا

مدرسے کوشش سے تیری گو بنے ہیں شہر شہر
مسجدیں بھی تو نے بنوائی ہیں اکثر جا بجا

پر یہ حیرت ہے کہ ان کاموں میں جو لاگت لگی
اُس سے دہ چند آپ کے دیوان خانہ میں لگا

مجرموں کے جرم شاید ہوں نہ اتنے خوفناک
نیکیاں تیری ہیں جیسی پُر خطر روزِ جزا

۱؎ یعنی علماء کی دعوت میں ایسے ایسے تکلفات کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں دیندار لوگ ابھی موجود ہیں۔ اور دین قائم ہے۔

ہے یقین اتنا ہی ہو گا اپنے دل میں تو حقیر
جسقدر رہا ہے زید وعمر نے تجھ کو برا

کر دیا رسوا تری تزویر نے تذکیر کو
ورنہ اک منصب تھا یہ شایان شان انبیاؑ

لطف ہی تو دلربا اور قہر ہے تو دل فریب
سحر ہے افسون ہے جادو ہے تری جو ہے ادا

گہ جہنم سے ڈرا کر چاہتا رشوت ہے تو
گاہ حوروں پر لبھا کر مانگتا ہے رونما

گونجتا ممبر پہ ہے یوں بیٹھکر گویا کہ آپ
آسماں سے لے کے اُترے ہیں ابھی حکم خدا

بات میں تیرے ہے گویا نار و جنّت کی کلید
جسنے پوجا[۱] تجھ کو وہ فردوس میں داخل ہوا

نیکیاں برباد ہیں ساری تیری خدمت بغیر
فرقۂ ناجی ہے بس اک پوجنے والا ترا

اپنی اک امت الگ سب سے بنانے کیلئے
تفرقے ڈالے ہیں دین حق میں تو نے جا بجا

تیرے گھرے ہیں مسلمانوں میں ہے جبتک نزاع
اختلاف اُمت کا حق میں تیری رحمت ہو گیا

جسطرح جھگڑوں کے خواہاں ہیں عدالتمیں وکیل
مانگتا ہی تو یونہیں باہم خصومت کی دعا

چاہتا ہے قوم میں جوتی سدا چلتی رہے
کشتئ اسلام کا پھر کیوں نہو تو ناخدا

مسلمانوں کی تعلیم

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانو
کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو

سنے ہوں گر نہ معنی لا تسبوا الدھر[۲] کے تمنے
تو اب سن لو کہ ہو میں شان رحمانی مجھے مانو

۱ پوجنا محاورے میں نذر کرنے کو کہتے ہیں:۔

۲ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں لا تسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ یعنی زمانہ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیون الٰہی میں سے اور زمانہ کے جو واقعات تم کو ناگوار گزرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں:۔

وہ ناصح اور ہونگے جنکا کہنا ٹل بھی جاتا ہے
اگر میری نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے نادانو

مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو
خبر تمکو بھی ہے کچھ؟ مری چالوں سے ای بیگانو

گئے وہ دن کہ نفریں کرتے تھے دیندار دنیا پر
بقائے دین و ملت منحصر دنیا پہ اب جانو

گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے
بس اب ثروت ہے مزدوروں کا حصہ ای تن آسانو

گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یاں عیش کرتے تھے
ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل میری مانو

مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم وہ مٹنے والے ہیں
یہ سودا کبتک اے شمع سحر گاہی کے پروانو

بھرا سمجھے ہو جس گھر کو نہیں یارو وہاں کوئی
کہاں بیٹھے ہو تم ای خانۂ ویراں کے دربانو

نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جسوقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ

گیا دور حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری

جنہیں دنیا میں رہنا ہے یہ معلوم ہے اُن کو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری

ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صنعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری

جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہونگے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری

نہ آئیگی پسند اُن نوکروں کی خدمت و طاعت
جنہیں پائینگے آقا زیورِ تعلیم سے عاری

اگر چاہینگے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
تو دینا ہوگا اُن کو امتحانِ علم بیطاری

نہ مستغنی بکاول علم سے ہے اب نہ باورچی
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری

یقین جانو کہ آئندہ ملیگی درسگاہوں میں
گر آٹا پیسنے کو چاہیئے گی اک پنہاری

کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز
نہ فصّادی نہ جرّاحی نہ کحّالی نہ عطّاری

جہانتک دیکھئے تعلیم کی فرمانروائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اوپر خدائی ہے

مولوی محمد اسمٰعیل

شب برات

اے شب برات عمر ہے تیری بہت بڑی
ہیں سن و سال تیرے کہاں تک کے دوں شمار

ہے ہجرتِ رسول کو یہ تیرھویں صدی
اور تو ہر ایک سال میں آتی ہے ایک بار

دیکھا ہے تو نے آنکھ سے اسلام کا عروج
تجھکو تو خوب یاد ہے تاریخ روزگار

کرتا ہوں اک سوال ۔ مجھے تو جواب دے
پہلے بھی تھا یہ فرقۂ اسلام کا شعار

کیا اُمتِ نبی کی یہی رسم و راہ تھی؟
جو فی زمانہ ہے مروّج بہر دیار

بول اُٹھ جو تو نے دیکھی ہو اگلے زمانہ میں
حلوے کی چاٹ اور اناروں کی یہ بہار

ہے فرضِ عین آج پٹاخوں کا چھوڑنا
یہ مشغلہ نہ ہووے تو بچے ہیں بے قرار

حلوا نہ کھائے جو وہ مسلماں ہی نہیں
چھوڑے نہ جو انار وہ کاہے کا دیندار

سامان کوئی گھر میں میسّر اگر نہ ہو
حلوائی اور بنیئے سے لے آتے ہیں اُدھار

بھجوائیں دے کے فاتحہ مُردوں کے واسطے
اسلام کا ہے اب تو اسی رسم پر مدار

بولی شبِ برات کہ میں کیا جواب دوں
لوگوں کے سر پہ جب سے جہالت ہوئی سوار

اسلام کے طریق سے بس ہو کے منحرف
کر بیٹھے ہیں مراسم بیہودہ اختیار

یہ قوم آج اہل جہاں کی نگاہ میں
بدرسمیوں سے آپ ہے اپنی ذلیل و خوار

اسلام میں پتا بھی نہیں جن رسوم کا
اصل اصول دین انہیں کرنے لگے شمار

عید الفطر

تیس دن بھوک پیاس کو روکو　　یہ ریاضت ہے آدمی کو مفید
روزہ کیا چیز ہے بتائیں تمہیں　　حرص کی قید نفس کی تہدید
سب کو بھولو خدا کو یاد کرو　　سب کو چھوڑو بجز خدائے وحید
دو جہاں میں اُسی کا جلوہ ہے　　ہے وہی مثلِ آفتاب پدید
دِل کی آنکھوں سے دیکھئے لیکن　　کہ[۱] خدا را بچشم نتواں دید
معتکف خانۂ خدا میں بنو　　کچھ تو سیکھو طریقۂ تجرید
عید کرتے ہیں اس وتیرہ پر　　جو خدا کے ہیں بندگان رشید
رمضان کا مہینہ یوں گزرا　　ختم روزے ہوئے تو آئی عید
عید کے دن پڑھو نماز و دعا　　عذرِ تقصیر کی کرو تمہید
کہ خدایا نہ ہو سکی طاعت　　نہ ہوا ہم سے کوئی کارِ سعید
نہ ہوئی تیرے حکم کی تعمیل　　نہ ہوئی اہلِ رشد کی تقلید
کوئی خدمت بجا نہ لائے ہم　　جنس عقبیٰ کی کر سکے نہ خرید
جو ہوا تیری مہربانی سے　　ناتوانوں کی تو نے کی تائید
شکر کی تو نے ہم کو دی توفیق　　شکر سے تیری نعمتیں ہیں مزید
شکرِ نعمت بھی تو نے سکھلایا　　ورنہ تھا ہم سے تو بہت ہی بعید

۱ه خدا کو آنکھ سے دیکھا نہیں جا سکتا۔

جا کے حامد سے یہ کہو محمودؔ
اب کے عیدی لکھی گئی ہے جدید

اکبر

مسلمانوں کی حالت میں انقلاب

خدا جانے کہا کس نے یہ کس دن عقلِ مسلم سے
کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھٹکارا

گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں
بُرا معلوم ہوتا ہی مسائل کا یہ پشتارا

مضر ہیں مذہبی قیدیں مناسب ہے شکست انکی
مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا

وہ چھینٹے دیجیے اُن کو حکیمانہ طریقوں سے
کہ جھکڑ راکھ ہی ہو جائے مذہب کا یہ انگارا

چلے مقراضِ تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے
کہ جڑ کٹ جائے مذہب کی یہ گھر ہو منہدم سارا

عمل جاتا رہے بالکل فقط الفاظ رہ جائیں
انہیں بھی پست کر دے مغربی حکمت کا نقارا

ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دورِ گردوں میں
عجب کیا ہی کہ پھر بننے لگے اقبال کا دھارا

ادھر تحریر ادھر اسپیچ ادھر سازش ادھر بندش
اسے جھڑکا اُسے ڈانٹا اسے گانٹھا اُسے مارا

حواسِ ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مشکل
کجا موہوم حوریں اور کجا پریوں کا نظارا

بتوں کے عشق میں پڑ ہی چکے تھی عقل پر پتھر
مِسوں کا بے تکلف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا

نہ حالیؔ کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبرؔ کی ظرافت سے رُکے یارانِ خود آرا

ہوا سب کو تعجب کیوں ہوئی یہ حالتیں پیدا
نہ تھا یہ مطلب سیّد کہ اس رُخ پر چلے دھارا

وہ پردیکے بڑے حامی تھے طاعت کے مؤید تھے
وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا

ادھر شیرازۂ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے
ادھر بازی حریفوں کی ہے ہاتھ اُنکے ہی پو بارا

نتیجے ہمنے خود آنکھوں سے دیکھے روز روشن میں
فلک نے سرکشوں کو خاکِ ناکامی پہ دے مارا

کہیں تحقیر مذہب کی کوئی تعلیم کرتا ہے
بجھاکر نورِ دلکو کب ہے چمکا بخت کا تارا

جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائینگے تو کیا ہوگا
خدارا اک نظر اُس سین کا کرتے تو نظارا

مشینیں چل رہی ہیں اور کسی کی کچھ نہیں چلتی
ادھر ہیں بے چھلے کندے ادھر ہے برق وش آرا

خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا اس کے کیا معنے
یہ کس جادو نے بچونکو کیا خود بین و خود آرا

یہ اخلاقی یہ روحانی بنائیں ٹوٹتی کیوں ہیں
یہ نفس مطمئنہ پر ہوا کیوں غالب امّارہ

ہمارے حکمراں تو حج میں سرگرم طاعت ہوں
تو ہم بندے پھریں کیوں دشت بیدینی میں آوارہ

عمل مطلوب ہے بیشک مگر نور اپنا کیوں کھوئیں
زمانے کو ہے گردش ہم نہیں ثابت سی سیّارہ

بٹھایا کیوں نہیں جاتا یہ نقش جانفزا دل پر
کہ روحانی ترقی میں ہو لڑکا عرش کا تارا

بہت فکر اسکی ہے دن رات گو قومی بزرگوں کو
مگر کمزور یہ موجیں ادھر غفلت کا ہے دھارا

ہیں یہ پیچیدہ بحثیں پیش کرنیکو تھا آمادہ
کہ اتنے میں جنابِ حضرت حافظ نے للکارا

حدیث[۱] از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را

ماسوا کا خوف

کہا کسی نے یہ سیّد سے آپ اے حضرت
نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں

---

۱ مطرب اور شراب کی باتیں کر دُنیا کے راز نہ کسی سے کھلے ہیں نہ کھلیں)

نہ آپ عالمِ برزخ سے مانگتے ہیں مدد
نہ فاتحے کے طریق ادا کو مانتے ہیں

نظر تو کیجئے اس بات پر جو ہیں ہندو
بہ صد خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں

بہت ہیں وہ جو عناصر پرست ہیں دل سے
وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں

کرسچین بھی فدائی ہیں نام مریم کے
بہ دل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہیں

خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیانِ با تمکین
وہ اہل بیت کو آلِ عبا کو مانتے ہیں

وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیانِ کرام
فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں

مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے
کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں

پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ
نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں

جواب اُنہوں نے دیا ہم ہیں پیروِ قرآن
ادب ہر اک ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں

سند ہماری ہے ایاک نستعین[١] اے دوست
اسی یگانۂ حاجت روا کو مانتے ہیں

اُسی کا نام زباں پر ہے حیّ اور قیّوم
اسی کی قدرتِ بے انتہا کو مانتے ہیں

یہ بوئے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ
تو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں

جواب حضرتِ سیّد کا خوب ہے اے اکبر
ہم اُنکے قولِ درست و بجا کو مانتے ہیں

ولیکن اسی تہذیب کے بزرگ اکثر
خدا کو اور نہ طریقِ دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
وہ صرف قوتِ فرماں روا کو مانتے ہیں

---

١ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں :—

برقِ کلیسا

رات اس مِس سے کلیسا میں ہُوا میں دوچار
ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ اُبھار

زلفِ پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید
قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید

آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں
گال وہ صبحِ درخشاں کہ ملک پیار کریں

گرم تقریر جسے سُننے کو شعلہ لپکے
دلکش آواز کہ سُن کر جسے بُلبل جھپکے

دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رُک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جُھک جائیں

آتشِ حُسن سے تقویٰ کو جلانے والی
بجلیاں لُطفِ تبسّم سے گرانے والی

پہلوئے حُسنِ بیاں۔ شوخیِ تقریر میں غرق
ٹرکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق

پس گیا۔ لوٹ گیا۔ دل میں سکت ہی نہ رہی
سُر تھے تمکین کے جس گت میں وہ گت ہی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہُوا
یا حفیظ کا کیا ورد —— مگر کچھ نہ ہُوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
دولت و عزّت و ایماں ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہدِ وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اِس قوم کے افسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر

کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں

مطمئن ہو کوئی کیونکر کہ یہ ہیں نیک نہاد
ہے ابھی ان کی رگوں میں اثرِ حکمِ جہاد

دشمنِ صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
کامیابی کی دلِ زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذتِ جاں راحتِ روح — اب زمانے پہ نہیں ہے اثرِ آدمؑ و نوحؑ
شجرِ طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں — گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں
ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ — دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ
اب نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوشِ سپاہ — سب کے سب آپ ہی پہ پڑھتے ہیں سبحان اللہ
جوہرِ تیغِ مجاہد ترے ابرو پہ نثار — نورِ ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار
اُڑ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحثِ بدِ نیک — دو دلے ہو گئے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک
موجِ کوثر کی کہاں اب ہے میری باغ کے گرد — مَیں تو تہذیب میں ہوں پیرِ مغاں کا شاگرد
مجھ پہ کچھ وجہِ عتاب آپ کو ایجاب نہیں — نام ہی نام ہے ورنہ مَیں مسلمان نہیں
جب کہا صاف یہ مَیں نے کہ جو صاحبِ فہم — تو نکالو دلِ نازک سے یہ شبہ یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

مسلمانوں کا فسانہ

خان بہادر سید اکبر حسینؒ

مسلمانو بتاؤ تو تمہیں اپنی خبر کچھ ہے — تمہارے کیا مدارج رہ گئے ان پر نظر کچھ ہے
اگر کچھ ہے تو سوچو دلمیں بھی اسکا اثر کچھ ہے — حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے

تمہیں معلوم ہی کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں — کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
تمہیں نے فرق بتلایا تھا سبکو گندم و جو میں — تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں

شرف پایا تھا تم نے امتیاز حق و باطل میں
مخالف بھی تمہاری قدردانی کرتے تھے دلمیں

تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمہاری بات تھی احکام تھی کہنا تھا آئیں تھیں

تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمہیں تم تھے زمانہ میں تمہاری داستانیں تھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سر تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمہارا اتفاقِ باہمی دیوار آہن تھا
مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا

تمہاری ہمتوں کا عرش اعظم پر نشیمن تھا
تمہارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم ہر فن تھا

تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے اعدا کو

نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی
طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی

نہ دلمیں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی
نظر میں مظہر نورِ حقیقت ساری ہستی تھی

تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
خوش اخلاقی تمہاری مظہرِ شانِ جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ حسنِ عمل باقی نہ اب وہ حسنِ ظن باقی

نہ وہ ذوقِ ہنرمندی نہ شوقِ علم و فن باقی
نہ دلمیں ہے وہ جوشِ حبِ یارانِ وطن باقی

جو فکریں ہیں وہ اپنے نفس کی راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو

بڑھاؤ تجربے اطرافِ دُنیا میں سفر سیکھو　　　خواصِ خشک و تر سیکھو علومِ بحر و بر سیکھو

خدا کیواسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ
دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

نذیر احمد

دُنیا کی بے ثباتی

دُنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے　　　ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے　　　جسکو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے

بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لے جائیگی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکان بتاؤ کہ بن کر گرا نہ ہو　　　پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہے کوئی حال جسمیں تغیّر ذرا نہ ہو　　　حادث نہ ہو تو مدخل چون و چرا نہ ہو

فانی ہر ایک چیز ہے فانی جہان ہے
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

اعمال نیک ہیں تو زمرد کے ہیں قصور　　　خدمت کو لونڈیوں کی جگہ دست بستہ حور
ہر طرح کا ہے عیش تو ہر طرح کا سرور　　　یعنی خلاصہ یہ ہے کہ راضی ہوئے حضور

خوشنودیٔ خدا ہے عبادت کا دام ہے
جنّت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

اور ہیں عمل بُرے تو ہوئی عاقبت خراب ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب
اور سب سے بڑھ کے خالقِ کونین کا عتاب گر پوچھنے پر آئے تو کیا بن پڑے جواب

حق کو جو ناپسند ہو تف ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

کیا جانب خدا سے ہدایت ہمیں نہیں یا سوچنے کو عقل و درایت ہمیں نہیں
فی الاصل کچھ ضرورت و حاجت ہمیں نہیں پر ہائے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں

ہم دیکھتے نہیں کبھی غائر نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ سے

غفلت کرا رہی ہے یہ ساری شرارتیں بنوا رہی ہے رہنے کو پکی عمارتیں
اللہ رے دلیریاں بل[۱] بے جسارتیں دنیا کمائیں دین کی کر کے خسارتیں

غفلت کا کر علاج کہ اصل مرض ہے یہ
تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہے یہ

غفلت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رد و کد نہ ہو
بھائی کی پیٹھ پیچھے کبھی ذکرِ بد نہ ہو انساں مشارکِ صفتِ دام و دد نہ ہو

غفلت سے اس جہان میں سارا فساد ہے
غفلت کو آڑ مار ہٹائیں جہاد ہے

مخلوق ذی شعور ہے تو ہوشیار رہ مت مستمندِ زندگیٔ مستعار رہ
دنیا کا کاروبار کر اور دیندار رہ امیدوارِ رحمتِ پروردگار رہ

[۱] اللہ رے اور بل بے کلمہ تعجب ہیں اور اب متروک :۔

کس نے کہا ہے تجھ سے کہ دُنیا کو چھوڑ بیٹھ
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ جوڑ بیٹھ

مفلسی

دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل
گر سَو گھروں میں دیکھو تو ننانوے رذیل
روٹی کی با ہزار مشقت ہوئی سبیل
کپڑے کے واسطے وہی ستّار ہے کفیل
گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گذر گئے
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال
افلاس ہے مقدمۂ قہر ذو الجلال
افلاس کر ہی دیتا ہے انساں کو پائمال
ڈرپوک پست ہمت و سُست و دنی خیال
مفلس کہ اُس غریب کی دُنیا نہیں درست
مشکل کہ اُسکے ہاتھ سے ہو کارِ دیں درست

دین و دنیا

گر مجھ سے پوچھتا ہے حقیقت میں ہم نشیں
ایصالِ نفع ہے مرے نزدیک اصلِ دیں
پر چاہیئے ہو اس کے لئے نقدِ آستیں
خرمن بیار خواجہ کہ بسیار[۱] خوشہ چیں
دیں کے درست کرنے کو دُنیا ضرور ہے
دُنیا نہیں تو دعوئ دیں مکرو زور ہے

---

[۱] کھانا لاؤ کہ بہت بھوکے جمع ہیں :-

دُنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو | اعلائے شانِ قادرِ مطلق کہاں سے ہو
ایثار[۱] و بذل[۲] وجودِ محقق کہاں سے ہو | مصدر ہی جب نہیں ہے تو مشتق کہاں سے ہو
دنیا کو جب کسی نے عموماً بُرا کہا
میں اُسکے منہ کو دیکھنے لگتا ہوں کیا کہا

ممکن نہیں ہے دین میں دنیا نہ ہو دخیل | ایسا خیال کر نہیں سکتا کوئی عقیل
پروردگار جس کا نہیں ہے کوئی عدیل | کیوں چاہنے لگا کہ مسلماں رہیں ذلیل
عزت ہے سب خدا کی خدا کے رسُول کی
پھر اُسکی جس نے دعوتِ ایماں قبول کی

القصّہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوستدار | واعظ ادیب ناصح مشفق صلاح کار
مونس رفیق موجبِ تسکینِ غمگسار | ہمدرد و بے ریا و ہوا خواہ جاں نثار
وہ کھینچتا تھا بار امیر و فقیر کا
دُنیا میں اُس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہمنے اپنے دیں کو بنایا چھوئی موئی | دنیا میں اور دین میں لگانے لگے دوئی
پھر قاصر اس قدر نظرِ نارسا ہوئی | شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی
دین کے عوض تعصب و اوہام رہ گئے
دین دار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اُس کے خواستگار | اور کیوں کہ ہوتے مولوی جنّت کا چوبدار
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پہ آشکار | مفلس بمیر مومن و دست از طلب بدار

۱؎ دوسرے کی حاجت کو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا ۱۲ ۲؎ خرچ کرنا ۱۲

دنیا و دین کے ربط کی رسّی کو کاٹ کے
دھوبی کے کُتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

دنیا میں اور دیں میں عداوت ارے غضب
ادبار کا یہی تو ہے سب سے بڑا سبب
لازم ہے دین کا بھی کما حقہٗ ادب
دنیا بغیر سخت مصیبت ہی روز و شب

خستہ ہوئے خراب ہوئے ہائے مٹ گئے
ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

افسوس کیا تباہ ہوئی قوم انتخاب
دل بجھ گیا ہے دیکھ کے دنیا کا انقلاب
آپس میں رحم و لطف عدو کیلئے عذاب
دیں کے خدا پرست وہ دنیا کے فتحیاب

مسجد میں سر بسجدہ پڑے ہیں زمین پر
میدان میں ڈٹے ہوئے گھوڑوں کے زین پر

بے انتہا و بے حد و بے حصر و بے شمار
معمور ہیں خزائن انعام کردگار
شاہاں اُسے نہیں ہے کہ بندوں کو دے ادھار
وہ چھینتا نہیں ہے کبھی دے کے ایک بار

دنیا بدل گئی ہم سے نعمت بدل گئی
اس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی

اے قوم یہ تعصب و سواس جائے شرم
اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم
تقصیر فی مقابلۃ الناس[1] جائے شرم
اس درجہ ضعف قوت احساس جائے شرم

تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

لفظ عرب میں نحن رجالٌ وھم رجال
کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خصال

[1] یعنی لوگوں کے مقابلے میں ہیٹا ہونا شرم کی بات ہے۔

اب اے عزیزو تم سے ہمارا ہے یہ سوال　　　کیوں آگیا ہر قوم کی حالت میں اختلال

اقوام روزگار میں ہیٹے ہو کس لئے

بے وقعتی کی خاک پہ لیٹے ہو کس لئے

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا　　　ہم میں کسی کو فکرِ معیشت نہیں رہا

کِس کس کا نام لیں کہ چناں اور چنیں رہا　　　ہر فرد عافیت سے غنا سے قریں رہا

ہم مالکِ خزائن روئے زمین تھے

اہل زمانہ قاطبۃً خوشہ چین تھے

ہم کو خراج دیتے تھے دنیا کے بادشاہ　　　تھی مرجعِ انام کبھی اپنی بارگاہ

اس میں بقدر ذرّہ نہیں شک و اشتباہ　　　تاریخ ہے ترقیٔ اِسلام کی گواہ

جن کو ہمارے ساتھ دریغ التفات ہے

ہم اُن پہ حکمراں تھے ابھی کل کی بات ہے

ہمنے بنایا اہلِ جہاں کو خدا پرست　　　ہمنے دلایا یاد اُنہیں وعدۂ اَلَست

ہمنے کیا بتوں کے تئیں سرنگون و پست　　　ہمنے اُتارا نشۂ صہبائیان مَست

شائستگی کی بیل ترقی کے ساتھ تھی

پَودا اسکی ہے لگائی ہوئی اپنے ہاتھ کی

اِس ضدِ احمقانہ کو للّٰہ کم کرو　　　جانوں پر اپنی بہرِ خدا مت ستم کرو

چاہو ہمیں بُرا کہو یا متّہم کرو　　　پر روٹیوں کی فکر تو بہرِ شکم کرو

ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے

بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

کوشش کرو تو غیب سے ہوں حاجتیں روا
بے جہد کے کسی کو کبھی کچھ نہیں ملا
ہم کو توقعات نہ رکھنے کی وجہ کیا
یورپ نے کچھ خدائی کا ٹھیکہ نہیں لیا

دو تین چار ہاتھ کھسکنا ضرور ہے
مانا کہ ہم سے منزلِ مقصود دور ہے

قسمت کی خوبی دیکھو کہ اب بھی خبر نہیں
سمجھانے اور کہنے کا مطلق اثر نہیں
جس سے رفاہِ قوم ہو ایسا ہنر نہیں
کیوں بھائیو کسی کی توجہ ادھر نہیں

کردارِ ناصواب پہ اصرار کس لئے
آنکھوں سے دیکھتے ہو تو انکار کس لئے

پھر بھی تو تم ہی تم ہو اگر دل میں ٹھان لو
وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
ہے علم پر مدار اسے خوب جان لو
اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو

رکھتی ہے اپنا وقت مناسب ہر ایک شے
تشویش تا کجا و پس و پیش تا بہ کے

لیکن مراد علم سے علمِ جدید ہے
یورپ میں جس سے رونق ھل من مزید ہے
ثروت کی سلطنت کی یہی اک کلید ہے
یہ ہو تو پھر تمام زمیں زر خرید ہے

ایسی کلیں چلیں کہ طلسمات کر دیا
ان کافروں نے سب کے تئیں مات کر دیا

یہ علم گر نہیں ہے تو فضل و کمال ہیچ
منشی ادیب شاعرِ شیریں مقال ہیچ
دابِ مناظرات و جواب و سوال ہیچ
تحقیق میر زاہد و ملا جلال ہیچ

ہم نے تو قیل و قال میں کی عمر رائگاں

یورپ نے ہائے لوٹ لیا گنج شائگاں

سب جانتے ہیں عالم اسباب ہے جہاں　　ہر واقعہ نتیجۂ علت ہے بے گماں
اس قاعدے سے بھاگ کے جائے کوئی کہاں　　جاری ہے یہ زمین سے لے تا بآسماں

یہ ضابطہ جدید نہیں سرسری نہیں
اسلام بھی عموم سے اسکے بری نہیں

دیں کا عروج بے سببِ معتبر نہ تھا　　تھا مزدِ سعی[۱] صرف دعا کا اثر نہ تھا
راہِ خدا میں جان تلک کا بھی ڈر نہ تھا　　مومن نہ تھا کہ جسکا ہتیلی پہ سر نہ تھا

اِن معرکوں میں کتنے عزیزوں کا خوں[۲] بہا
اک سلطنت اور اتنے شہیدوں کا خوں[۳] بہا

تھی نارِ شرک سارے زمانے میں مشتعل　　روئے زمیں پہ نورِ ہدایت تھا مضمحل
اہلِ کتاب تک اسی آفت میں پا بگل　　بس دو طرح کے لوگ تھے یا ضال[۴] یا مضل

شیطان کی تھی جہاں میں دوہائی پھری ہوئی
یعنی خدا سے ساری خدائی پھری ہوئی

سفاک کینہ توز ستم گر ستیزہ جو　　بے رحم سنگدل متمرّد و درشت خو
غارت گروں کو اہلِ قوافل کی جستجو　　اس ٹوہ میں سدا پڑے پھرتے تھے چارسو

صحرا نورد وحشی و خانہ بدوش تھے
اونٹوں کو پالتے تھے بس اتنے ہی ہوش تھے

---

[۱] کوشش کا صلہ ۱۲ [۲] یعنی خون گرا ۱۲ [۳] تاوان معاوضہ -

محکوم تھے بھی بعض تو صرف از برائے نام
کیا جانیں ایسے لوگ سیاسات و انتظام
اک رنگ میں رنگے ہوئے چھوٹے بڑے تمام
دادوں کا لیتے پوتوں پڑپوتوں سے انتقام

ہر قوم سے ملناپ عداوت تنی ہوئی
بارہ مہینے اُن میں لڑائی ٹھنی ہوئی

باآں کہ شہر مکہ میں تھا کعبۂ خلیل
نالائقوں نے اُسکو کیا اُس قدر ذلیل
گھر میں خدا کے سیکڑوں بُت ہو گئے دخیل
جیسے کہ آن بیٹھے ہما کی جگہ میں چیل

کیا انقلاب گردشِ چرخ کہن کے ہیں
یہ بُت پرست خلف اُسی بُت شکن کے ہیں

کیا عقل تھی جنابِ رسالت مآب کی
شرمندہ جس کے آگے ضیا آفتاب کی
تدبیر سوچتے تھے مگر فتح باب کی
آخر کو راہ ڈھونڈھ نکالی صواب کی

وہ گمرہی وہ خوئے جہالت نکل گئی
تھوڑے دنوں میں ملک کی حالت بدل گئی

ہر چند اُنکو ذاتِ خدا کی پناہ تھی
پر مقتضائے وقت پہ ہر دم نگاہ تھی
تدبیر صلح و جنگ کی شام و پگاہ تھی
جو دوسروں کی راہ ہے وہ اُنکی راہ تھی

تقصیر کب درست ہے تدبیر کار میں
ہم اُنکے سامنے ہیں بھلا کس شمار میں

جاگو کہ شرط باندھ کے مُردوں سے سو چکے
غارِ قنوط راہِ تمنا میں بو چکے
جو کچھ تمہیں خدا نے دیا تھا وہ کھو چکے
سُن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے

قسمت میں قوم کی ہے لکھی (صبح و شام موت

بے حُرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

ہم اور اسلاف

الٰہی دے مسلمانوں کو توفیقِ مسلمانی
کہ پھر آجائے کشتِ مردۂ اسلام میں پانی

دلوں میں اُنکے اپنی مہر سے ایسا تصرف کر
وہی جیسا کیا تھا وقت قرنِ اول و ثانی

اگر اک رونگٹا بھی مبتلائے درد ہوتا ہے
تو ہے سارے بدن کو بیقراری اور پریشانی

ولیکن ہمکو تم کو قوم و قومیت سے نسبت کیا
مسلماں گور میں ہیں اب کتابوں میں مسلمانی

بایں نااتفاقی جو مسلمانوں میں واقع ہے
انہیں اک قوم ہے کہنا سراسر جہل و نادانی

غرض ہوتی ہے کوئی مشترک تب قوم بنتی ہے
یہاں اغراض گر ہیں بھی تو ہیں اہواءِ نفسانی

لغت والوں نے انساں کو لکھا ہے اُنس سے مشتق
محبت ہی تقاضائے سرشتِ طبعِ انسانی

نہیں انسان پر موقوف اُس خالقِ اکبر نے
اسی منہج پہ رکھی ہے اساسِ عالمِ فانی

عناصر قوم کے ماوشما جب کش مکش میں ہوں
حیاتِ قوم کی کس طرح ممکن ہے نگہبانی

مسلمانوں کی بھی اک قوم تھی سو مٹی کب کی
اب اُسکا ذکر کرنا بھی ہے گویا مرثیہ خوانی

پڑھے ہیں بس کہ حالات اُنکے تاریخی کتابوں میں
مگر آنکھوں میں پھرتی ہیں وہ شکلیں اُنکی نورانی

خدا رحمت کرے انسان کامل کے نمونے تھے
فضائل اُنکے ثابت ہیں زروئے نصِ قرآنی

یہی مُٹھی سی ضعیفان قوی دل متفق ہوکر
ہوئے تھے چار دانگ سطوتِ اسلام کے بانی

نہیں امکاں کسی سے ہوسکے ایثار اُن کا سا
کئے ہیں آپ فاقے بھائیوں کی کرکے مہمانی

ہر اک فردِ بشر ان میں تھا اپنی قوم پر قرباں
سمجھ رکھا تھا حب القوم کو اک جزوِ انسانی

مگر جب دخل پایا قوم میں نااتفاقی نے
گئی گزری ہوئی ساری جہانگیری جہاں بانی

پڑھا ہے لیس للانسان الا ما سعیٰ جب سے
نہیں ہوتا ہے بے تدبیر اطمینانِ روحانی

ایضاً

پھر آخر ہوا سال خورشید خاور
کہ ہو چکنے پر آیا ماہِ دسمبر

لگا روز آہستہ آہستہ بڑھنے
بندھا ہے تنزل ترقی کا چکر

مسلمانوں پر صادق آئے تو جانیں
کہ ہے یہ بھی اک رسمِ دنیا مقرر

اُچھل آئے ڈوبے ہوئے کتنے بیڑے
سنبھل جاتے ہیں لوگ کھا کھا کے ٹھوکر

ہم ان اپنی آنکھوں سے دیکھا کئے ہیں
ہلالوں کو بنتے ہوئے بدرِ انور

ہوئے ہیں بہت دانۂ بے حقیقت
بزورِ طبیعت درخت تناور

ولیکن بظاہر توقع نہیں ہے
کہ اسلام کو ہو بحالی مکرّر

اگر ہو تو سمجھو کہ جی اُٹھے مُردے
اگر ہو تو جانو ہوئے موم پتھر

گئے دن کہ اسلام سے کانپتے تھے
زمان و زمیں بید کی طرح تھر تھر

بت و برہمن کی زباں پر تھا جاری
دمِ نعرۂ ذکر اللہ اکبر

جدھر رُخ کیا سلطنت زیرِ فرماں
جدھر آنکھ اُٹھائی ممالک مسخّر

یہ حاکم ہر اک شخص ان کی رعیّت
یہ آقا تمام آدمی ان کے نوکر

زمانے میں اُس وقت جتنے ہنر تھے
یہی سب میں فائق یہی سب میں برتر

یہ ممتاز تھے حق بجانب کہ کوئی
نہ مدِ مقابل نہ ثانی نہ ہم سر

طبیعت میں ہر ایک کے غمگساری
مزاجوں میں سب کے شرافت کا جوہر

اگر صبح کو لڑ لئے بھائی بھائی
تو پھر شام تک ہو گئے شیر و شکر

کبھی رونق افزائے بزمِ مسرت
کبھی مرد میدان و سالارِ لشکر

لڑائی میں ایک ایک دس دس پہ بھاری
شہیدانِ بدر و شجاعانِ خیبر

لگیں دشمنوں کے تئیں ہو کے چھرّے
اگر پھینکدیں لے کے مٹھی میں کنکر

بھگایا ہوا عدا کو یوں غازیوں نے
اُڑا کر ہوا جیسے لے جائے مچھّر

خدا اور رسولِ خدا اُنکے حامی
کوئی ہو سکے اُن سے کس طرح سر بر

ہلا ڈالی بُنیاد ایوانِ کسرےٰ
رگڑ دی پکڑ کر گردنِ ملک قیصر

پر اس سے کہ دادا کو تخمہ ہوا تھا
بھلا بھوکے پوتوں کو سیری ہو کیونکر

رہے ہونگے لگلے خزانوں کے مالک
ہمیں ایک پیسہ ہے کبریت احمر

ہمیں مر گئے جب کہ فاقوں کے مارے
بزرگوں کے کٹ کٹ کے نکلے مزعفر

خدائی بدل جائے واللہ باللہ
اگر ہم سنور جائیں اتنے بگڑ کر

مگر کیا کیا جائے آخر تو دل ہے
سریع التّأثّر نہ لوہا نہ پتھر

پگھلتا ہے دیکھے سے دردِ مصیبت
اذیّت سی ہوتا ہے بیچین و مضطر

خصوصًا وہ دل جسکو سینے میں اپنے
لئے بیٹھے ہیں یہ بزرگ[۱] معمّر

لگایا تھا اک باغ[۲] نانا نے انکے
کئی سو برس تک رہا تازہ و تر

بکثرت رہا چین و گل ہائے رنگیں
بافراط شمشاد و سروِ وصنوبر

درختوں پہ پھل اور پھلوں پر پرندے
زمیں پر دھرے دیتی تھیں ٹہنیاں سر

ہر اک قطعہ پھولوں کے تختے کے تختے
ہر اک حوض پانی کی چادر کی چادر

۱ لکچرار نے سرسید احمد خاں کی طرف اشارہ کیا ۱۲ ۲ مراد ہے اسلام ۱۲

تعالیٰ اللہ فوّاروں کی سربلندی — کہ قطرے بنے انجمِ چرخِ چنبر
نظر لگ گئی پھولتے پھلتے اسکو — جو نوبت کی پیہم چلی بادِ صرصر
اب اُسکو یہ نوبت ہوئی ہے دریغا — کفِ دست میدان ہے جیسے کلّر[۱]
نہ سبزہ نہ سایہ نہ اک قطرہ پانی — نہ لطفِ تفرج نہ تفریحِ منظر
جہاں نغمہ خواں جھنڈ تھے طائروں کے — پڑے ہیں وہیں ہیں منتشر مشتکِ[۲] پر
الٰہی وہ کیا ہو گئیں سب بہاریں — مزیّن ہیں جن کے بیانوں سے دفتر
جہاں وہ گئیں یہ تمنا بھی جائے — کہ ہم بھی انہیں دیکھتے اک نظر بھر
خزاں ہو تو جائے شکایت نہیں ہے — کہ ہر باغ کے واسطے ہے مقدّر
مگر یہ تباہی اور اتنی تباہی — اور ایسی تباہی ہے اک امر آخر
نہ ہو حقِ ماتم ادا اس الم کا — اگر روئیے تا قیامت برابر
مگر صرف رونا ہے رانڈوں کا شیوہ — کہ اُن کو مناجاتِ حالی[۳] ہے ازبر
خدا کے لئے کوئی صورت نکالو — بتاؤ کوئی ایسی تدبیر مل کر
اگر تم میں ہے مردمی اور مروّت — اگر کچھ ہے پاسِ خدا و پیمبر
جو تم کو حمیّت ذرا چھو گئی ہے — اگر تم پہ چلتا ہے غیرت کا منتر
سہارا لگاؤ علے قدرِ طاقت — اسی طرح اُٹھتے ہیں لوگوں کے چھپر
جو سرکو تو منزل پہ پہنچو ہی پہنچو — بشرطیکہ اُن[۴] کو کرو اپنا رہبر
بہت سو چکے کھو چکے اب تو جیتو — کہاں تک کرو گے ستم اپنے اوپر

۱ بنجر ۱۲ ۲ چھوٹی سی مٹھی ۱۲ ۳ بیوہ کی مناجات کی طرف اشارہ ہے ۱۲ ۴ سرسید کیطرف اشارہ ہے ۱۲

کوئی حد بھی ہے بدگمانی کی آخر ارے ظالمو! خیرخواہوں سے بدتر
جو دنیا و دیں میں ہو ایسا تخالف کہ یہ جائے دکھن تو یہ جائے اُتّر
تو تم کس طرف سے ہوئے منہ سے پھوٹو کشاکش میں دونوں کی مجبور و مضطر
کوئی بات ہو اُسمیں دینگے اڑنگے کوئی کام ہو اُسمیں مذہب کی پچّر
یہ دنیا میں رہنے کے لچھن نہیں ہیں اُٹھاؤ چلو تہ کرو اپنا بستر
مگر ترک دنیا کچھ آساں نہیں ہے دکھائے کوئی کرکے بر زعم نیچر
ضوابط یہ باندھے ہوئے ہیں خدا کے نہ بدلے نہ بدلیں الیٰ یوم محشر
یہ طامات دعوے ہیں دھوکے کی ٹٹی اگر زہد ہے بھی تو زہد مزوّر
پڑے کیا ہو سیّد کے مذہب کے پیچھے سنو جی یہ کافر سہی بلکہ اکفر
ولے گر کہے دنیوی فائدے کی تو کیا ضد سے کرلوگے نقصان سراسر
سیادت کا دعویٰ اور اُمت کا دشمن ہمیں تو نہ آیا نہ آئے گا باور
اُسی باغ کو جڑ سے کاٹے اُجاڑے کہ جو باغ ہے اس کی میراث مادر
جو کہیے کوئی بات ایسی تو کہیے کہ دائر ہو امکانِ عقلی کے اندر
نہ ایسی کہ سنکر جسے گر پڑے چھت نکلجائے کتنوں کا دب کر کچومر
پڑھا ہے گا قرآن میں وزر اُخریٰ کریں یہ تو تم کیوں بھرو اُس کا کیفر
خدا کو بھی سمجھے ہو کیا اپنے دلمیں کہ جج ہو سشن جج تم اسکے اسیسر
وہاں اُسکے ہاں بھی کوئی کونسل ہے تم اُس کونسل کے اراکین و ممبر
اُسے رائے لینے کی تم سے ضرورت خدا ہو کے محتاج تعلیم دیگر
پڑی کیا پرائی تم اپنی نبیڑو

كُلٌّ رَهِينٌ وَ كُلٌّ مُيَسَّرٌ

خطاب بہ مسلم

مسلمانو! - اگر تم میں ہے کچھ فکر سا باقی — تو بولو اُٹھو کہ ہے اسلام کے مٹنے میں کیا باقی
شجاعت تھی تو وہ ہم سے گئی گزری ہوئی بالکل — نہ اب وہ مُلک گیری ہے نہ وہ حربِ غزا باقی
نہ ہمت ہے نہ جرأت ہے نہ چستی ہے نہ چالاکی — نہ خو زحمت اُٹھانے کی نہ زورِ دست و پا باقی
خدا جانے وہ کیسی سلطنت تھی کیا تھی کیونکر تھی — کہ تاریخی کتابوں میں ہے جس کا تذکرا باقی
یہ ٹوٹی پھوٹی گنتی کی ریاست ہائے اسلامی — جنہیں روئے زمیں پر دیکھتے ہو جا بجا باقی
مگر اُس سطوتِ کبریٰ کی چندیں یادگاریں ہیں — مسافر جا چکا لیکن ہے اُس کا نقشِ پا باقی
عروسِ دہرِ زال زشت منظر ہو گئی ایسی — کہ جس میں دل ربائی کی نہیں کوئی ادا باقی
وہ بوٹا سا قدِ رعنا کہ عالم جس پہ مفتوں تھا — خمیدہ ہوتے ہوتے رہ گئی پُشتِ دوتا باقی
تغیر آ گیا نقش و نگارِ حسن میں یکسر — نہ وہ رنگِ حنا قائم نہ چشمِ سرمہ سا باقی
مِلا دی خاک میں پیری نے سب رونق جوانی کی — نہ رنگت میں ضیا باقی نہ چہرے میں صفا باقی
کہاں کی قوم کیسی خیرخواہی کس کی ہمدردی — کہ لوگوں میں نہیں ہے اب تو پاسِ اقربا باقی
کچھ ایسی اجنبیت ان دنوں میں آ کے پھیلی ہے — نہیں گویا کہیں کوئی کسی کا آشنا باقی
مسلماں ہیں مگر صرف از برائے نام کہنے کو — کہ جیسے ذات کا ہے امتیاز و تفرقہ باقی

لہ كُلٌّ رَهِينٌ اشارہ ہے كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ کیطرف كُلٌّ مُيَسَّرٌ سے مراد ہے كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ ۱۲

ہماری قوم کو افلاس نے اس طرح گھیرا ہے | کہ فی صد ایک کچھ خوش ہے تو محتاج گدا باقی
لئے جاتے ہیں ہم سب کو گھسیٹے فقر نکبت میں | اب ایسے رہ گئے ہیں مولوی اور پیشوا باقی
غرض دنیا و دیں کے سب فضائل منتزع ہو کر | رہا ہے اک تعصّب نامناسب ناروا باقی
وہ بیمارِ قریبِ مرگ ہے اسلام واویلا | مسیحا کو نہیں ہے جس کی اُمید شفا باقی

شبلی

قوم سے خطاب

یوں بھلانے کو تو ہم دل سی بھلاتے ہیں مگر | یاد آجاتے ہیں پھر بھی ترے اگلے جوہر
وہ بھی اک دن تھا کہ جس سمت سے ہوتا تھا گزر | ساتھ چلتے تھے جلو میں ترے اقبال و ظفر

تو کبھی روم میں قیصر کو مٹا کر آئی
کبھی یورپ میں نئے فتنے اُٹھا کر آئی

تھے نقیبوں میں ترے دولت و اقبال و حشم | تیرے حملوں سے دہل جاتا تھا سارا عالم
ایشیا کا جو کیا تو نے مرقع برہم | جا کے یورپ کے اُفق پر بھی اُڑایا پرچم

کر دیا دفترِ تاتار کو ابتر تو نے
نیزہ گاڑا تھا جگر گاہِ تتر پر تو نے

کون تھا جس نے کیا فارس و یوناں تاراج | کس کی آمد میں فدا کر دیا جیپال نے راج
کِسکو کسریٰ نے دیا تخت و زر و افسر و تاج | کس کے دربار میں تاتار سے آتا تھا خراج

تجھ پہ اے قوم اثر کرتا ہے افسوں جن کا

یہ وہی تھے کہ رگوں میں ہے اترے خوں جنکا

ہم نے مانا بھی کہ دل سے یہ بھلادیں قصّے — یہ سمجھ لیں کہ ہم ایسے ہی تھے اب ہیں جیسے
یہ بھی منظور ہے ہم کو کہ ہمارے بچّے — دیکھنے پائیں نہ تاریخ عرب کے صفحے
کبھی بھولے بھی سلف کو نہ کریں یاد اگر
یادگاروں کو زمانہ سے مٹادیں کیونکر

مرو و شیراز و صفاہان کے وہ زیبا منظر — بیتِ حمرا کے وہ ایوان وہ دیوار وہ در
مصر و غرناطہ و بغداد کا ایک ایک پتھر — اور وہ دہلیِ مرحوم کے بوسیدہ کھنڈر
انکے ذرّوں میں چمکتے ہیں وہ جوہر اب تک
داستانیں انہیں سب یاد ہیں ازبر اب تک

ان سے سن لے کوئی افسانۂ یارانِ وطن — یہ دکھا دیتے ہیں آنکھوں کو وہی خواب کہن
تیرے ہی نام کا اے قوم یہ گاتے ہیں بھجن — تیرے ہی نغمۂ پُردرد کے ہیں یہ ارگن
پوچھتا ہے جو کوئی ان سے نشانی تیری
یہ سنادیتے ہیں سب رام کہانی تیری

ہجرتِ نبوی

جبکہ آمادۂ خوں ہوگئے کفّارِ قریش — لاجرم سرورِ عالم نے کیا عزمِ سفر
کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز — گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور
اک فقط حضرتِ بوبکرؓ تھے ہمراہِ رکاب — انکی اخلاص شعاری تھی جو منظورِ نظر

رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے | کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر
چونکہ سو اونٹ کا انعام تھا قاتل کیلئے | آپ کے قتل کو نکلے تھے بہت طالبِ زر
تین دن رات رہے ثور کے غاروں میں نہاں | تھا یہاں عقرب و افعی کی حکومت کا اثر
بیمِ جاں، خوفِ عدو، ترکِ غذا، سختیٔ راہ | ان مصائب میں ہوئی اب شبِ ہجرت سے سحر
یاں مدینے میں ہوا غل کہ رسول آتے ہیں | راہ میں آنکھ بچھانے لگے اربابِ نظر
دفعۃً کوکبۂ شاہِ رسل آپہونچا | غل ہوا، صلِ علیٰ خیرِ اناس[1] و ابشر
جلوۂ طلعتِ اقدس جو ہوا عکس فگن | دفعتاً تارِ شعاعی تھا ہر اک تارِ بصر
سب کو تھی فکر کہ دیکھیں یہ شرف کسکو ملے | میہماں ہوتے ہیں کس اوج نشیں کے سرور

سینے کہتے تھے کہ خلوتگہ دل حاضر ہے
آنکھیں کہتی تھیں کہ دو اور بھی تیار ہیں گھر

تعمیر مسجد نبوی

ہجرت کے بعد آپ نے پہلا کیا جو کام | تعمیر سجدہ گاہِ خدائے انام تھا
اک قطعۂ زمین تھا کہ اس کام کے لئے | واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا
وہ قطعۂ زمین تھا یتیموں کی ملک خاص | ہر چند قبرگاہ و گزرگاہ عام تھا
چاہا حضور نے کہ بہ قیمت خرید لیں | ان کے مربیوں سے کہا جو پیام تھا

---

[1] سب لوگوں میں اچھا۔

ایتام نے حضور میں آکر یہ عرض کی ۔۔۔ یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا
یہ ہدیۂ حقیر پذیرا کریں حضور! ۔۔۔ اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا

لیکن حضور نے نہ گوارا کیا اسے ۔۔۔ منّت کشی سے آپ کو پرہیز تام تھا
احسان اور وہ بھی یتیمانِ زار کا ۔۔۔ بالکل خلاف طبعِ رسولِ انام تھا
بارہ ہزار سکۂ رائج عطا کیے ۔۔۔ یہ تھا وہ خُلق جس سے مخالف بھی رام تھا
سامان جو ضرور ہیں تعمیر کے لئے ۔۔۔ اب ان کی فکر مشغلۂ صبح و شام تھا
مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گِل کی بھی ۔۔۔ ازبسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا
انصار پاک اور مہاجر تھے جس قدر ۔۔۔ مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا

اک اور نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک ۔۔۔ جو آب و گِل کے شغل میں بھی شاد کام تھا
کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت ۔۔۔ سینہ غبار خاک سے سب گرد فام تھا
سمجھے کچھ آپ، کون تھا، انکا شریک حال ۔۔۔ یہ خود وجود پاکِ رسولِ انام تھا
جو وجہِ آفرینشِ افلاک و عرش ہے ۔۔۔ جس کا کہ جبرئیل بھی ادنیٰ غلام تھا

اہل بیت کی زندگی

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال ۔۔۔ گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں ۔۔۔ چکّی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار
گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا

اٹ جاتا تھا لباسِ مبارک غبار سے
جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا

آخر گئیں جناب رسولِ خدا کے پاس
یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا

محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض
واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا

پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضور نے
کل کس لئے تم آئیں تھیں کیا خاص کام تھا

غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں
(حیدر) نے اُنکے منہ سے کہا جو پیام تھا

ارشاد یہ ہوا" کہ غریبانِ بے وطن
جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا

ہیں اُنکے بند و بست سے فارغ نہیں ہنوز
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا

ہو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گذرتی ہیں
میں اُنکا ذمہ وار ہوں میرا یہ کام تھا

کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے اُنکا حق
جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا

خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں
جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

یوں کی ہے اہلِ بیتِ مطہر نے زندگی
یہ ماجرائے دخترِ خیر الانام تھا

ایثار کی اعلےٰ نظیر

کافروں نے یہ کیا جنگ اُحد میں مشہور
کہ پیمبر بھی ہوئے کشتۂ شمشیر دودم

ہو کے مشہور مدینہ میں جو پہونچی یہ خبر
ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم

ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر
کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم

ایک خاتون کہ انصار نکو نام سے تھیں | سخت مضطر تھیں نہ تھی ہوش و حواس انکے بہم
موقعِ جنگ پہ پہونچیں تو یہ لوگوں نے کہا | کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم
تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی | تیرے والد بھی ہوئے کُشتۂ شمشیرِ ستم
سب سے بڑھکر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید | گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہِ الم

اُس عفیفہ نے یہ سب سُن کے کہا تو یہ کہا | یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہِ اُمم
سب نے دی اُسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضور | گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم
بڑھ کے اُسنے رُخِ اقدس کو جو دیکھا تو کہا | تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہے سب رنج و الم

میں بھی، اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دین ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

مساواتِ اسلام

بدر میں معرکہ آرا جو ہوا لشکرِ کفر | عتبہ ابن ربیعہ تھا امیر العسکر
سب سے پہلے وہی میدان میں بڑھا تیغ بکف | ساتھ اک بھائی تھا اور بھائی کا پہلو میں پسر
اسطرح اُس نے مبارز طلبی[1] کی پہلے | مردِ میداں کوئی تم میں ہو تو نکلے باہر
سُن کے یہ لشکرِ اسلام سے نکلے باہم | تین جانباز کہ ایک ایک تھا اسکا ہمسر

---

[1] طلبی: میدان میں نکل کر حریف کو مقابلہ کے لئے دعوت دینا۔

سامنے آئے جو یہ لوگ تو عتبہ نے کہا — کس قبیلہ سے ہو کیا ہے نسبِ جدّ و پدر
بولے ہم وہ ہیں کہ ہے نام ہمارا انصار — ہم ہیں شیدائی اسلام ہے ہر فردِ بشر
جان نثارانِ رسولِ عربی ہیں ہم لوگ — اک اشارہ ہو تو ہم کاٹ کے رکھدیتے ہیں سر
بولا عتبہ کہ بجا کہتے ہو جو کہتے ہو — مگر افسوس کہ مغرور ہے اولادِ مضر
تم سے لڑنا تو ہمارے لئے ہے مایۂ عار — کہ نہیں تیغِ قریشی کے سزاوار یہ سر

کہہ گئے یہ اُسنے کیا سرورِ عالم سے خطاب — اے محمدؐ یہ نہیں شیوۂ اربابِ ہنر
جنگ نا جنس سے معذور ہیں ہم آلِ قریش — بھیج انکو جو ہوں رتبہ میں ہمارے ہمسر
آپکے حکم سے انصار پھر آئے صف میں — حمزہؓ و حیدرِ کرّار نے لی تیغ و سپر
اُن سے عتبہ نے جو پوچھا نسب و نام و نشاں — بولے یہ لوگ کہ ہاشم کے ہیں ہم لختِ جگر
بولا عتبہ کہ نہیں ننگ سے اب ہم کو گریز — آؤ اب تیغِ قریشی کے دکھائیں جوہر
یا یہ حالت تھی کہ تلوار بھی تھی طالبِ کفو — یا مساوات کا اسلام کے پھیلا یہ اثر

بارگاہِ نبوی کے جو مؤذن تھے بلالؓ — کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینہ میں کہیں — جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر
میں غلامِ حبشی اور حبشی زادہ بھی ہوں — یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر
ان خصائل پہ مجھے خواہشِ تزویج بھی ہے — ہے کوئی جسکو نہ ہو میری قرابت سے عذر
گردنیں جھک گئیں یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور — جسطرف اس حبشی زادہ کی اُٹھتی تھی نظر

عہدِ فاروق میں جسدن کہ ہوئی اُنکی وفات
یہ کہا حضرتِ فاروق نے بادیدۂ تر !!

اُٹھ گیا آج زمانے سے ہمارا آقا
اُٹھ گیا آج نقیبِ حشمِ پیغمبرؐ!

نوحہ

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کبتک
چراغِ کشتۂ محفل سے اُٹھیگا دھواں کبتک

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کردئے پرزے
فضائے آسمانی میں اُڑینگی دھجّیاں کبتک

مراکش جاچکا، فارس گیا، اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریضِ سخت جاں کبتک

یہ سیلابِ بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کبتک

یہ سب ہیں رقصِ بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ سیر انکو دکھائیگا شہیدِ نیم جاں کبتک

یہ وہ ہیں، نالۂ مظلوم کی لے جنکو بھاتی ہے
یہ راگ انکو سُنائیگا یتیمِ ناتواں کبتک

کوئی پُوچھے کہ اے تہذیبِ انسانی کے اُستادو!
یہ ظلم آرائیاں تاکے یہ حشر انگیزیاں کبتک

یہ جوش انگیزیٔ طوفانِ بیداد و بلا تاکے؟
یہ لطف اندوزیٔ ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک

یہ مانا تمکو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا اس کا امتحاں کبتک

نگارستانِ خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی
تو ہم دکھلائیں تمکو زخمہائے خوں چکاں کبتک

یہ مانا گرمیِ محفل کے ساماں چاہئیں تم کو؟
دکھائیں ہم تمہیں ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک

یہ مانا قصۂ غم سے تمہارا جی بہلتا ہے
سُنائیں تمکو اپنے دردِ دل کی داستاں کبتک

یہ مانا تمکو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمہاری کھیتیاں کبتک

عروسِ بخت کی خاطر تمہیں درکار ہی افشاں | ہمارے ذرہ ہائے خاک ہونگے زر فشاں کبتک
کہانتک لوگے ہم سے انتقامِ فتحِ ایّوبی | دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کبتک
سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہیں ہم | مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کبتک

زوالِ دولتِ عثماں، زوالِ شرع و ملت ہے | عزیزو! فکرِ فرزند و عیال و خانماں کبتک
خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ طیاریاں کیا ہیں | نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کبتک

پرستارانِ خاکِ کعبہ دنیا سے اگر اُٹھے | تو پھر یہ احترامِ سجدہ گاہِ قدسیاں کبتک
جو گونج اُٹھے گا عالم شورِ ناقوسِ کلیسا سے | تو پھر یہ نغمۂ توحید گلبانگِ اذاں کبتک
بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی | چلینگی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کبتک
کہیں اُڑکر نہ دامانِ حرم کو بھی یہ چھو آئے | غبارِ کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کبتک
حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں | تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کے آشیاں کبتک

جو ہجرت کرکے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہ اب امن و امانِ شام و نجد و قیرواں کبتک

خواتینِ عرب کا ثبات

مسند آرائے خلافت جو ہوئے ابن زبیرؓ | سب نے بیعت کیلئے ہاتھ بڑھائے یکبار

ابنِ مروان نے حجاج کو بھیجا پئے جنگ | جسکی تقدیر میں مرغانِ حرم کا تھا شکار
حرمِ کعبہ میں محصور ہوئے ابن زبیرؓ | فوجِ بیدین نے کیا کعبۂ ملت کا حصار
دامنِ عرش ہوا جاتا تھا آلودۂ گرد | بارشِ سنگ سے اُٹھتا تھا جو رہ رہ کے غبار
تھا جو سامانِ رسد چار طرف سے مسدود | ہر گلی کوچہ بنا جاتا تھا اک گنجِ مزار
جب یہ دیکھا کہ کوئی ناصر و یاور نہ رہا | ماں کی خدمت میں گئے ابن زبیرؓ آخر کار
جاکے کی عرض کہ اے اختِ حریمِ نبویؐ | نظر آتے نہیں اب حرمتِ دیں کے آثار
آپ فرمایئے اب آپ کا ارشاد ہے کیا | کہ میں ہوں آپ کا اک بندۂ فرمانبردار
صلح کرلوں کہ چلا جاؤں حرم سے باہر | یا یہیں رہ کے اسی خاک پہ ہو جاؤں نثار
بولی وہ پردہ نشینِ حرمِ سترِ عفاف | حق پہ گر تو ہے تو پھر صلح ہے مستوجبِ عار
یہ زمیں ہے وہی قربانگہِ اسمٰعیلؑ | فدیۂ نفس ہے خود دینِ خلیلؑ کا شعار
ماں سے رخصت ہوئے یہ کہکے بہ آدابِ نیاز | آپ کے دودھ سے شرمندہ نہ ہونگا زنہار
پہلے ہی حملہ میں دشمن کی الٹ دیں فوجیں | جس طرف جاتے تھے یہ ٹوٹتی جاتی تھی قطار
منجنیقوں سے برستے تھے جو پتھر پیہم | ایک پتھر نے کیا آکے سر و رخ کو فگار
خون ٹپکا جو قدم پر تو کہا از رہِ فخر | یہ ادا وہ ہے کہ ہم ہاشمیوں کا ہے شعار
اس گھرانے نے کبھی پشت پہ کھایا نہیں زخم | خون ٹپکے گا تو ٹپکے گا قدم پہ ہر بار
زخم کھا کھا کے لڑے جاتے تھے لیکن کبتک | آخر الامر گرے خاک پہ مجروح و نزار
لاش منگوا کے جو حجاج نے دیکھی تو کہا | اسکو سولی پہ چڑھاؤ کہ یہ تھا قابلِ دار
اتفاقات سے اکدن جو ادھر جا نکلیں | دیکھ کر لاش کو بیساختہ بولیں یکبار

ہو چکی دیر کہ منبر پہ کھڑا ہے یہ خطیب

اپنے مرکب سے اُترتا نہیں اب بھی یہ سوار

اقبال

دنیائے اسلام

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں　　مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیونکا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیلؑ　　خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز
ہوگئی رُسوا زمانے میں کلاہِ لالہ رنگ　　جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبورِ نیاز
لے رہا ہے مَے فروشانِ فرنگستان سے پارس　　وُہ مَے سرکش حرارت جسکی ہے مینا گداز
حکمتِ مغرب سے ملّت کی یہ کیفیت ہوئی　　ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز
ہوگیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو　　مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اوّل آں بُنیاد را ویراں کنند

ربط و ضبطِ ملّتِ بیضا ہے مشرق کی نجات　　ایشیا والے ہیں اس نُکتے سے ابتک بیخبر
پھر سیاست چھوڑکر داخل حصارِ دیں میں ہو　　ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے　　نیل کے ساحل سے لیکر تابخاکِ کاشغر
جو کریگا امتیازِ رنگ و خوں مٹ جائیگا　　ترکِ خرگاہی ہو یا اعرابیِ والا گہر

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اُڑ گیا دُنیا سے تو مانندِ خاکِ رہگذر

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر اُستوار
لا کہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب و جگر

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش[۱]
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

ترلقمُ

کبھی اے نوجواں مُسلم! تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا، تو جسکا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جسنے پاؤں سے تاجِ سرِ دارا

تمدّن آفریں، خلاقِ آئینِ جہانداری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گہوارہ

غرض مَیں کیا کہوں تجھسے! کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہانگیر و جہاندار و جہانبان و جہان آرا

تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار، وہ رفتار، تو ثابت، وہ سیّارا

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دُنیا کے آئینِ مُسلم سے کوئی چارا

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھو اُن کو یورپ میں تو دِل ہوتا ہے سیپارا

غنی![۲] روزِ سیاہِ پیرِ کنعاں را تماشا کن!
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

---

۱ اے وہ کہ جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کے جھگڑوں میں گرفتار ہے۔

۲ پیرِ کنعاں کا نورِ نظر (بیٹا) زلیخا کی آنکھوں کا نور (محبوب) بنا ہوا ہے۔

شمع و شاعر

مجھ کو جو موجِ نفس دیتی ہے پیغامِ اجل
لب اسی موجِ نفس سے ہے نوا پیرا ترا

میں تو جلتی ہوں کہ ہے مضمر مری فطرت میں سوز
تو فروزاں ہے کہ پروانوں کو ہو سودا ترا

گل بدامن ہے مری شب کے لہو سے میری صبح
ہے ترے امروز سے نا آشنا فردا ترا

یوں تو روشن ہے مگر سوزِ دروں رکھتا نہیں
شعلہ ہے مثلِ چراغِ لالۂ صحرا ترا

سوچ تو دل میں لقب ساقی کا ہے زیبا تجھے
انجمن پیاسی ہے اور پیمانہ بے صہبا ترا

اور ہے تیرا شعار آئین و ملت اور ہے
زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا

کعبہ پہلو میں ہے اور سودائیِ بتخانہ ہے
کس قدر شوریدہ سر ہے شوقِ بے پروا ترا

قیس ہوں پیدا تری محفل میں یہ ممکن نہیں
تنگ ہے صحرا ترا محمل ہے بے لیلا ترا

اے دُرِ تابندہ اے پروردۂ آغوشِ موج
لذتِ طوفاں سے ہے نا آشنا دریا ترا

اب نوا پیرا ہے کیا گلشن ہوا برہم ترا
بے محل تیرا ترنم نغمہ بے موسم ترا

تھا جنہیں ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہو گئے
لیکے اب تو وعدۂ دیدارِ عام آیا تو کیا

انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے
ساقیا[۱۵] محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا

آہ! جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا

---

۱۵ اب اس قسم کا حرفِ ندا متروک ہے:۔

آخرِ شب دید کے قابل تھی بسمل کی تڑپ
صبح دم کوئی اگر بالائے بام آیا تو کیا

پھول بے پروا ہیں تو گرمِ نوا ہو یا نہ ہو
کارواں بے حس ہے آوازِ درا ہو یا نہ ہو

شمعِ محفل ہو کے جب تو سوز سے خالی رہا
تیرے پروانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے

رشتۂ الفت میں جب انکو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

شوق بے پروا گیا فکرِ فلک پیما گیا
تیری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے

وہ جگرسوزی نہیں وہ شعلہ آشامی نہیں
فائدہ پھر کیا جو گردِ شمع پروانے رہے

خیر تو ساقی سہی لیکن پلائیگا کسے
اب نہ وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے

رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اُسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرور جہاں
رقص میں لیلا رہی لیلا کے دیوانے رہے

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جنکے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر اُنکے مٹ گئے آبادیاں بن ہوگئیں

سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہوگئیں

دہر میں عیشِ دوام آئیں کی پابندی سے ہے
موج کو آزادیاں سامانِ شیون ہوگئیں

خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
وہ نگاہیں نا امیدِ نورِ ایمن ہوگئیں

اُڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں
دل میں کیا آئی کہ پابندِ نشیمن ہوگئیں

وسعتِ گردوں میں تھی انکی تڑپ نظارہ سوز
بجلیاں آسودۂ دامانِ خرمن ہوگئیں

دیدۂ خونبار ہو منت کشِ گلزار کیوں
اشکِ پیہم سے نگاہیں گلبدامن ہوگئیں

شامِ غم لیکن خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
ظلمتِ شب میں نظر آئی کرن اُمید کی

مژدہ اے پیمانہ بردارِ خمستانِ حجاز
بعد مدت کے ترے رندوں کو پھر آیا ہے ہوش

نقدِ خودداری بہائے بادۂ اغیار تھی
پھر دکاں تیری ہے لبریز صدائے ناؤ نوش

پھر یہ غوغا ہے کہ لاساقی شراب خانہ ساز
دل کے ہنگامے مئے مغرب نے کر ڈالے خموش

نغمہ پیرا ہو کہ یہ ہنگام خاموشی نہیں
ہے سحر کا آسماں خورشید سے مینا بدوش

کہ گئے ہیں شاعری جزویست از پیغمبری[1]
ہاں سُنا دے محفلِ ملت کو پیغامِ سروش

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دِل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

رہزنِ ہمت ہوا ذوقِ تن آسانی ترا
بحر تھا صحرا میں تو گلشن میں آیا جُو ہوا

اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی
چھوڑ کر گُل کو پریشاں کارواں بُو ہوا

زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرارِ حیات
یہ کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا

پھر کہیں سے اسکو پیدا کر بڑی دولت ہے یہ
زندگی کیسی جو دل بیگانۂ پہلو ہوا

آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رُسوا تو ہوا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

پردۂ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ
یعنی اپنی مے کو رُسوا صورتِ مینا نہ کر

۱؎ شاعری پیغمبری کا جزو ہے۔

تو اگر خود دار ہے منت کش ساقی نہ بن | عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر
کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں | ہے جنوں تیرا نیا پیدا نیا ویرانہ کر
ہاں اسی شاخِ کہن پر پھر بنا لے آشیاں | اہلِ گلشن کو شہیدِ نغمۂ مستانہ کر
اس چمن میں پیروِ بلبل ہو یا تلمیذِ گل | یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو
لب کشا ہو جا سرودِ بربطِ عالم ہے تو

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا | دانہ تو کھیتی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو
آہ کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے | راہ تو رہرو بھی تو رہبر بھی تو منزل بھی تو
کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا | ناخدا تو بحر تو کشتی بھی تو ساحل بھی تو
دیکھ آکر کوچۂ چاکِ گریباں میں کبھی | قیس تو لیلا بھی تو صحرا بھی تو محمل بھی تو
وائے نادانی کہ تو محتاجِ ساقی ہو گیا | مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محفل بھی تو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو | خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

بے خبر! تو جوہرِ آئینۂ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو | قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے
سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیامِ ناز کا | جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ | تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے
اب تلک شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت | اے تغافل پیشہ! تجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے
تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا | ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

راز اس آتش نوائی کا مرے سینہ میں دیکھ
جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائیگی

آملینگے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک
یعنی گُل کی ہم نفس بادِ صبا ہوجائیگی

شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز
اِس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہوجائیگی

دیکھ لوگے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل
موجِ مضطر ہی اُسے زنجیرِ پا ہوجائیگی

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہوجائیگی

نالۂ صیّاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور
خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہوجائیگی

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائیگی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

طلوعِ اسلام

سرشکِ چشمِ مسلم میں ہے نیساں کا اثر پیدا
خلیل اللہ کے دریا میں ہوں گے پھر گہر پیدا

کتابِ ملتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

ربود آں ترکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا

اگر عثمانیوں پر کوہِ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

جہانبانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنّم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا

ترے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہدے
مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہدے

خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے مسلم کہ مغلوبِ گماں تو ہے

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جسکے گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

مکاں فانی مکیں آنی ازل تیرا ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے

حنا بندِ عروسِ لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے

تری فطرت امیں ہے ممکناتِ زندگانی کی
جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

جہانِ آب و گل سے عالمِ جاوید کی خاطر
نبوّت ساتھ جسکو لیگئی وہ ارمغاں تو ہے

یہ نکتہ سرگذشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا
کہ اقوامِ زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدر فقرِ بوذر صدقِ سلمانی

ہوئے احرارِ ملت جادہ پیما کس تجمّل سے
تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی

ثباتِ زندگی ایمانِ محکم سے ہے دُنیا میں — کہ المانی سے بھی پائندہ تر نکلا ہے تورانی

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں — جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اسکے زورِ بازو کا؟ — نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ولایت پادشاہی علمِ اشیا کی جہانگیری — یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے — ہوس چھپ چھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں
تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے — حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں!
حقیقت ایک ہے ہر شے کی خاکی ہو کہ نوری ہو — لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرہ کا دل چیریں
یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم — جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

چہ باید مرد را طبعِ بلندے مشربِ نابے
دلِ گرمے نگاہِ پاک بینے جانِ بیتابے

عقابی[1] شان سے جھپٹے تھے جو بے بال و پر نکلے — ستارے[2] شام کے خونِ شفق میں ڈوب کر نکلے
ہوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے — طمانچے موج کے کھاتے تھے جو بنکر گہر نکلے
غبارِ رہگذر ہیں، کیمیا پر ناز تھا جن کو — جبینیں خاک پر رکھتے تھے جو اکسیر گر نکلے
حرم رسوا ہوا پیرِ حرم کی کم نگاہی سے — جوانانِ تتاری کس قدر صاحب نظر نکلے
زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے — یہ خاکی زندہ تر پائندہ تر تابندہ تر نکلے

[1] مراد ہے جرمن اُنکے جھنڈے پہ عقاب کی تصویر ہوتی ہے ۱۲ [2] مراد ترک کیونکہ شام کے حلقہ میں ہیں ۱۲

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملّت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملّت ہے

تو رازِ کُن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا رازداں ہو جا خدا کا ترجماں ہو جا

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا

شکوہ

کیوں زیاں کار بنوں سود فراموش رہوں
فکرِ فردا نہ کروں محوِ غمِ دوش رہوں

نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو

ہے بجا شیوۂ تسلیم میں مشہور ہیں ہم
قصۂ درد سناتے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

سازِ خاموش ہیں فریاد سے معمور ہیں ہم
نالہ آتا ہے اگر لب پہ تو معذور ہیں ہم

اے خدا! شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لے
خوگرِ حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لے

تھی تو موجود ازل سے ہی تری ذاتِ قدیم
پھول تھا زیبِ چمن پر نہ پریشاں تھی شمیم

شرطِ انصاف ہے اے صاحبِ الطافِ عمیم
بوئے گل پھیلتی کس طرح جو ہوتی نہ نسیم

ہم کو جمعیتِ خاطر یہ پریشانی تھی
ورنہ اُمت ترے محبوب کی دیوانی تھی

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر — کہیں مسجود تھے پتھر کہیں معبود شجر
خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر — مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیونکر
تجھکو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا

بس رہے تھے یہیں سلجوق بھی تورانی بھی — اہلِ چیں چین میں ایران میں ساسانی بھی
اسی معمورہ میں آباد تھے یونانی بھی — اسی دنیا میں یہودی بھی تھے نصرانی بھی
پر ترے نام پہ تلوار اُٹھائی کس نے!
بات جو بگڑی ہوئی تھی وہ بنائی کس نے؟

تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں — خشکیوں میں کبھی لڑتے کبھی دریاؤں میں
دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں — کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہانداروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

ہم جو جیتے تھے تو جنگوں کی مصیبت کیلئے — اور مرتے تھے ترے نام کی عظمت کیلئے
تھی نہ کچھ تیغ زنی اپنی حکومت کیلئے — سربکف پھرتے تھے کیا دہر کی دولت کیلئے
قوم اپنی جو زر و مالِ جہاں پر مرتی
بُت فروشی کے عوض بُت شکنی کیوں کرتی

ٹل نہ سکتے تھے اگر جنگ میں اڑ جاتے تھے — پاؤں شیروں کے بھی میدان سے اکھڑ جاتے تھے

تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے　　تیغ کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے
نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

تو ہی کہدے کہ اکھاڑا در خیبر کس نے؟　　شہر قیصر کا جو تھا اسکو کیا سر کس نے؟
توڑے مخلوق خداوندوں کے پیکر کس نے؟　　کاٹ کر رکھدیئے کفار کے لشکر کس نے؟
کس نے ٹھنڈا کیا آتشکدۂ ایراں کو؟
کس نے پھر زندہ کیا تذکرۂ یزداں کو؟

کونسی قوم فقط تیری طلبگار ہوئی؟　　اور تیرے لئے زحمت کش پیکار ہوئی؟
کس کی شمشیر جہانگیر جہاندار ہوئی؟　　کس کی تکبیر سے دنیا تری بیدار ہوئی؟
کس کی ہیبت سے صنم سہمے ہوئے رہتے تھے؟
منہ کے بل گر کے ہو اللہ احد کہتے تھے؟

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز　　قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز　　نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

محفل کون و مکاں میں سحر و شام پھرے　　مئے توحید کو لیکر صفت جام پھرے
کوہ میں دشت میں لیکر ترا پیغام پھرے　　اور معلوم ہے تجھ کو کبھی ناکام پھرے؟
دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہمنے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا ہم نے
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا ہم نے
تیرے کعبے کو جبینوں سے بسایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینوں سے لگایا ہم نے
پھر بھی ہم سے یہ گلا ہے کہ وفادار نہیں
ہم وفادار نہیں! تو بھی تو دلدار نہیں

اُمتیں اور بھی ہیں اُن میں گنہگار بھی ہیں
عجز والے بھی ہیں مستِ مئے پندار بھی ہیں
اُن میں کاہل بھی ہیں غافل بھی ہیں ہشیار بھی ہیں
سینکڑوں ہیں کہ ترے نام سے بیزار بھی ہیں
رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

بُت صنمخانوں میں کہتے ہیں مسلمان گئے
ہے خوشی اُنکو کہ کعبے کے نگہبان گئے
منزلِ دہر سے اونٹوں کے حُدی خوان گئے
اپنی بغلوں میں دبائے ہوئے قرآن گئے
خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں؛
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں؛

یہ شکایت نہیں، ہیں اِنکے خزانے معمور
نہیں محفل میں جنہیں بات بھی کرنیکا شعور
قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حُور و قصور
اور بیچارے مسلماں کو فقط وعدۂ حُور
اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں!
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

کیوں مسلمانوں میں ہے دولتِ دُنیا نایاب
تیری قدرت تو ہے وہ جسکی نہ حد ہے نہ حساب
تو جو چاہے تو اُٹھے سینۂ صحرا سے حُباب
رہروِ دشت ہو سیلی زدۂ موجِ سراب
طعنِ اغیار ہے رسوائی و ناداری ہے

کیا ترے نام پہ مرنے کا عوض خواری ہے

بنی اغیار کی اب چاہنے والی دنیا ! رہ گئی اپنے لئے ایک خیالی دنیا

ہم تو رُخصت ہوئے اوروں نے سنبھالی دنیا پھر نہ کہنا ہوئی توحید سے خالی دُنیا

ہم تو جیتے ہیں کہ دُنیا میں ترا نام رہے

کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تیری محفل بھی گئی چاہنے والے بھی گئے شب کی آہیں بھی گئیں صبح کے نالے بھی گئے

دل تجھے دے بھی گئے اپنا صلہ لے بھی گئے آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے

آئے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر

اب اُنہیں ڈھونڈ و چراغِ رُخِ زیبا لے کر

درد لیلیٰ بھی وہی قیس کا پہلو بھی وہی نجد کے دشت وجبل میں رم آہو بھی وہی

عشق کا دل بھی وہی حسن کا جادو بھی وہی اُمتِ احمدِ مرسل بھی وہی تو بھی وہی

پھر یہ آزردگی غیر سبب کیا معنے ؟

اپنے شیداؤں پہ یہ چشم غضب کیا معنی؟

تجھکو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا ؟ بُت گری پیشہ کیا بُت شکنی کو چھوڑا!

عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا! رسم سلمان و اویس قرنی کو چھوڑا ؟

آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں!

زندگی مثلِ بلالِ حبشی رکھتے ہیں!

عشق کی خیر وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی

مضطرب دل صفتِ قبلہ نما بھی نہ سہی اور پابندئ آئینِ وفا بھی نہ سہی

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

سرِ فاراں پہ کیا دین کو کامل تو نے
اک اشارے میں ہزاروں کے لئے دِل تو نے
آتش اندوز کیا عشق کا حاصل تو نے
پھونک دی گرمیٔ رخسار سے محفل تو نے

آج کیوں سینے ہمارے شرر آباد نہیں!
ہم وہی سوختہ ساماں ہیں تجھے یاد نہیں!

وادیٔ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا
قیس دیوانۂ نظارۂ محفل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دِل نہ رہا
گھر یہ اُجڑا ہے کہ تو رونقِ محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی

بادہ کش غیر ہیں گلشن میں لبِ جُو بیٹھے
سُنتے ہیں جام بکف نغمۂ کو کو، بیٹھے
دُور ہنگامۂ گلزار سے یک سُو بیٹھے
تیرے دیوانے بھی ہیں مُنتظرِ ہو بیٹھے

پھر پتنگوں کو مذاقِ تپش اندوزی دے
برقِ دیرینہ کو فرمانِ جگر سوزی دے

قومِ آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز
لے اُڑا بلبلِ بے پر کو مذاقِ پرواز
مضطرب باغ کے ہر غنچے میں ہے بُوئے نیاز
تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز

نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے
طور مضطر ہے اِسی آگ سے جلنے کیلئے

مشکلیں اُمّتِ مرحوم کی آساں کر دے
مورِ بے مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دے

جنسِ نایاب محبّت کو پھر ارزاں کر دے   یعنی ہم دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

جوئے خوں می چکد از حسرتِ دیرینۂ ما
می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما

بوئے گُل لے گئی بیرونِ چمن رازِ چمن   کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمّازِ چمن
عہدِ گُل ختم ہوا ٹوٹ گیا سازِ چمن   اُڑ گئے ڈالیوں سے زمزمہ پردازِ چمن

ایک بُلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک
اِسکے سینے میں ہے نغموں کا تلاطم اب تک

قُمریاں شاخِ صنوبر سے گریزاں بھی ہوئیں   پتّیاں پھول کی جھڑ جھڑ کے پریشاں بھی ہوئیں
وہ پرانی روشیں باغ کی ویراں بھی ہوئیں   ڈالیاں پیرہنِ برگ سے عُریاں بھی ہوئیں

قیدِ موسم سے طبیعت رہی آزاد اِس کی
کاش گلشن میں سمجھتا کوئی فریاد اِس کی

لُطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں   کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کِتنے بیتاب ہیں جوہر مرے آئینے میں   کِسقدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں

اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ جو سینے میں رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

چاک اِس بُلبلِ تنہا کی نوا سے دِل ہوں   جاگنے والے اسی بانگِ درا سے دِل ہوں
یعنی پھر زندہ نئے عہدِ وفا سے دِل ہوں   پھر اُسی بادۂ دیرینہ کے پیاسے دِل ہوں

عجمی خُم ہے تو کیا مے تو حجازی ہے مری
نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

جوابِ شکوہ

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے
قدسی الاصل ہے رفعت پہ نظر رکھتی ہے
خاک سے اُٹھتی ہے گردوں پہ گزر رکھتی ہے
عشق تھا فتنہ گر و سرکش و چالاک مرا
آسماں چیر گیا نالۂ بے باک مرا

جب مے درد سے ہو خلقتِ شاعر مدہوش
آنکھ جب خون کے اشکوں سے بنے لالہ فروش
کشورِ دل میں ہوں خاموش خیالوں کی خروش
چرخ سے سوئے زمیں شعر کو لاتا ہے سروش
قیدِ دستور سے بالا ہے مگر دل میرا!
فرش سے شعر ہوا عرش پہ نازل میرا!

پیرِ گردوں نے کہا سُن کے "کہیں ہے کوئی"
بولے سیارے "سرِ عرشِ بریں ہے کوئی"
چاند کہتا تھا "نہیں! اہلِ زمیں ہے کوئی"
کہکشاں کہتی تھی "پوشیدہ یہیں ہے کوئی"
کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا
مجھ کو جنت سے نکالا ہوا انساں سمجھا

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا!
عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا!
تا سرِ عرش بھی انساں کی تگ و تاز ہے کیا!
آگئی خاک کی چٹکی کو بھی پرواز ہے کیا!
غافل آداب سے سکانِ زمیں کیسے ہیں!
شوخ گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

اسقدر شوخ کہ اللہ سے بھی برہم ہے
تھا جو مسجودِ ملائک یہ وہی آدم ہے
عالمِ کیف ہے دانائے رموزِ کم ہے
ہاں مگر عجز کے اسرار سے نامحرم ہے

ناز ہے طاقتِ گفتار پہ انسانوں کو
بات کرنے کا سلیقہ نہیں ناد انوں کو

آئی آواز! غم انگیز ہے افسانہ ترا
مئے فریاد سے معمور ہے پیمانہ ترا
ہے ہم آغوش فلک نعرۂ مستانہ ترا
کسقدر شوخ زباں ہے دلِ دیوانہ ترا

شکر شکوے کو کیا حسنِ ادا سے تُو نے
ہم سخن کر دیا بندوں کو خدا سے تُو نے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے رہروِ منزل ہی نہیں
تربیت عام تو ہے جوہر قابل ہی نہیں
جس سے تعمیر ہو آدم کی یہ وہ گِل ہی نہیں

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں
ڈھونڈھنے والونکو دُنیا بھی نئی دیتے ہیں

جسطرح احمدِ مختار ہے نبیوں کا امام
اُسکی اُمت بھی ہے دنیا میں امامِ اقوام
کیا تمہارا بھی نبی ہے وہی آقائے امام
تم مسلماں ہو! تمہارا بھی وہی ہے اسلام

اُسکی اُمت کی علامت تو کوئی تم میں نہیں
مئے جو اسلام کی ہوتی ہے وہ اِس خم میں نہیں

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں
اُمتی باعثِ رُسوائی پیغمبر ہیں
بُت شکن اُٹھ گئے باقی جو رہے بُت گر ہیں
تھا براہیم پدر اور پسر آذر ہیں

کہیں تہذیب کی پُوجا کہیں تعلیم کی ہے

قوم دُنیا میں بھی احمدِ بے میم کی ہے

وہ بھی دِن تھے کہ یہی مایۂ رعنائی تھا
نازشِ موسمِ گلِ لالۂ صحرائی تھا
جو مسلمان تھا اللہ کا سودائی تھا
کبھی محبوب تمہارا یہی ہرجائی تھا

کسی یکجائی سے اب عہدِ غلامی کر لو
ملّتِ احمدِ مُرسل کو مقامی کر لو

کسقدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے! ہاں نیند تمہیں پیاری ہے
طبعِ آزاد پہ قیدِ رمضاں بھاری ہے
تمہیں کہدو! یہی آئینِ وفاداری ہے

قوم مذہب سے ہے۔ مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں۔ محفلِ انجم بھی نہیں

جنکو آتا نہیں دُنیا میں کوئی فن تم ہو!
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو!
بجلیاں جسمیں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو!
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو!

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کر کے
کیا نہ بیچو گے جو مِل جائیں صنم پتھر کے

صفحۂ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے؟
نوعِ انساں کو غلامی سے چھڑایا کس نے؟
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے؟
میرے قرآن کو سینوں کو لگایا کس نے؟

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی۔ مگر تم کیا ہو!
ہاتھ پر ہاتھ رکھے منتظرِ فردا ہو!

کیا کہا! بہرِ مسلماں ہی فقط وعدۂ حور
شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور
عدل ہے فاطرِ ہستی کا ازل سے دستور
مسلم آئیں ہوا کافر۔ تو ملے حور و قصور

تم میں حُوروں کا کوئی چاہنے والا ہی نہیں
جلوۂ طور تو موجود ہے۔ موسیٰ ہی نہیں

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی۔ دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی۔ اللہ بھی۔ قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ؛ ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں!

کون ہے تارک آئینِ رسولِ مختار ؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار ؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار ؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار ؟

قلب میں سوز نہیں۔ رُوح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد کا تمہیں پاس نہیں

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آرا تو غریب
زحمتِ روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب

اُمرا نشۂ دولت میں ہیں غافل، ہم سے
زندہ ہے ملّتِ بیضا غربا کے دم سے

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی۔ نہ رہی !
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی !
رہ گئی رسمِ اذاں۔ رُوحِ بلالی نہ رہی !
فلسفہ رہ گیا۔ تلقینِ غزالی نہ رہی !

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی۔ وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

شور ہے، ہو گئے دُنیا سے مسلماں نابُود"
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدّن میں ہنود　　یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

یوں تو سیّد بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو

تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو؟

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک　　عدل اُسکا تھا قوی لوثِ مراعات سے پاک

شجرِ فطرتِ مُسلِم تھا حیا سے نمناک　　تھا شجاعت میں وہ اک ہستیِ فوق الادراک

خود گدازی غمِ کیفیتِ صہبایش بود

خالی از خویش شدن صورتِ مینایش بود

ہر مسلماں رگِ باطل کے لئے نشتر تھا　　اُسکے آئینۂ ہستی میں عمل جوہر تھا

جو بھروسہ تھا اُسے قوتِ بازو پر تھا　　ہے تمہیں موت کا ڈر، اُسکو خدا کا ڈر تھا

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو

پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو؟

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے　　تم مسلمان ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے　　تمکو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

تم ہو آپس میں غضبناک، وہ آپس میں رحیم　　تم خطا کار و خطا بین، وہ خطاپوش و کریم

چاہتے سب ہیں کہ ہوں اوجِ ثریّا پہ مقیم　　پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ سلیم

تختِ فغفور بھی اُنکا تھا سریرِ کَے بھی

یوں ہی باتیں ہیں کہ تم میں وہ حمیّت ہے بھی

خودکشی شیوہ تمہارا۔ وہ غیور و خوددار تم اخوت سے گریزاں۔ وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا۔ وہ سراپا کردار تم ترستے ہو کلی کو۔ وہ گلستاں بکنار
اب تلک یاد ہے قوموں کو حکایت اُنکی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت اُنکی

عہدِ نو برق ہے۔ آتش زدہ ہر خرمن ہے ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے ملتِ ختمِ رُسل شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی! کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی!
یعنی ہونے کو ہے کانٹوں سے بیاباں خالی! گُل برانداز ہے خونِ شہدا کی لالی!
ساحلِ بحر پہ رنگِ فلکِ عنابی ہے
یہ نکلتے ہوئے سورج کی اُفق تابی ہے

امتیں گلشنِ ہستی میں ثمر چیدہ بھی ہیں اور محرومِ ثمر بھی ہیں خزاں دیدہ بھی ہیں
سینکڑوں نخل ہیں کاہیدہ بھی بالیدہ بھی ہیں سینکڑوں بطنِ چمن میں ابھی پوشیدہ بھی ہیں
نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا
پھل ہے یہ سینکڑوں صدیوں کی چمن بندی کا

تو نہ مٹ جائیگا ایران کے مٹ جانے سے نشۂ مے کو تعلق نہیں پیمانے سے
ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے
کشتیِ حق کا زمانے میں سہارا تو ہے!

روحانیت

عصرِ نورات ہے ۔ دُھندلا سا ستارا تو ہے!

ہے جو ہنگامہ بپا یورشِ بلغاری[1] کا
غافلوں کیلئے پیغام ہے بیداری کا

تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا
امتحاں ہے ترے ایثار کا خودداری کا

کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے
نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے

چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری

زندہ رکھتی ہے زمانے کو حرارت تیری
کوکبِ قسمتِ امکاں ہے خلافت تیری

ختم کا ہے کو ہوا کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

ہو نہ افسردہ اگر بن گئی تصویر تری
رازِ توحید! حکومت نہیں تفسیر تری

تو وہ سر ہے کہ ہے اسلام ہی شمشیر تری
نظمِ ہستی میں ہے کچھ اور ہی تقدیر تری

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

یہ نہ ہو ساقی تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

---

[1] ترکوں اور بلغاریوں کی لڑائی کی طرف اشارہ ہے:۔

وسعتِ کون و مکاں ساز ہی مضراب ہے یہ | دہر مسجد ہی سراپا۔ خمِ محراب ہے یہ
جامِ گردوں میں عیاں مثلِ مئے ناب ہے یہ | روحِ خورشید ہی خونِ رگِ مہتاب ہے یہ

صوت ہی نغمۂ کُن میں تو اسی نام سے ہی
زندگی زندہ اسی نور کے اتمام سے ہی

وشت میں دامنِ کوہسار میں میدان میں ہے | بحر میں موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین میں شہرِ مراقش کے بیابان میں ہے | اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ رَفَعنَا لَکَ ذِکرَک دیکھے

مردمِ چشمِ زمیں یعنی وہ کالی دنیا | وہ تمہارے شہدا پالنے والی دُنیا
گرمیِ مہر کی پروردہ ہلالی دُنیا | عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دُنیا

تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کیطرح

انجم اسکے۔ فلک اسکے ہیں۔ زمیں اسکی ہے | کیا یہ اغیار کی دُنیا ہی؟ نہیں! اسکی ہے!
سجدے مسجود ہوں جسکے وہ جبیں اسکی ہے | وہ ہمارے ہیں۔ قوم ہیں اسکی ہے!

طوفِ احمدؐ کے امینوں کا فلک کرتے ہیں
یہ وہ بندے ہیں ادب جنکا ملک کرتے ہیں

مثلِ بو قید ہی غنچے میں! پریشاں ہو جا | رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہو جا
شوقِ وسعت ہی تو ذرے سے بیاباں ہو جا | نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا

بول اسی نام کا ہر قوم میں بالا کر دے

اور دُنیا کے اندھیرے میں اُجالا کر دے

تحفۂ امّت

گراں جو مجھ پہ یہ ہنگامۂ زمانہ ہوا　　جہاں سے باندھ کے رختِ سفر روانہ ہوا
قیودِ شام و سحر میں بسر تو کی لیکن　　نظامِ کہنۂ عالم سے آشنا نہ ہوا
ہوا رفیقِ اجل اشتیاقِ آزادی　　سمندِ عمر کو اک اور تازیانہ ہوا

فرشتے بزمِ رسالت میں لے گئے مجھکو
حضورِ آیۂ رحمت میں لے گئے مجھکو

کہا حضور نے اے عندلیبِ باغِ حجاز　　کلی کلی ہے تری گرمیِ نوا سے گداز
ہمیشہ سرخوشِ جامِ ولا ہے دل تیرا　　فتادگی ہے تیری غیرتِ سجود و نیاز
اُڑا جو پستیِ دُنیا سے تو سوئے گردوں　　سکھائی تجھکو ملائک نے رفعتِ پرواز

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بُو آیا
ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

کہا یہ میں نے کہ سچی خوشی نہیں ملتی　　تلاش جسکی ہے وہ زندگی نہیں ملتی
ریاضِ دہر میں ہیں یوں تو رنگ رنگ کے پھول　　وفا کی جسمیں ہو بُو وہ کلی نہیں ملتی
مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں　　جو چیز اس میں ہے جنت میں بھی نہیں ملتی

جھلکتی ہے تری اُمّت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

فاطمہ

فاطمہ تو آبروئے ملّتِ مرحوم ہے
ذرّہ ذرّہ تیری مُشتِ خاک کا معصوم ہے
کسقدر عزّت تجھے اے حُورِ صحرائی ملی
غازیانِ ملّتِ بیضا کی سقّائی ملی
ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کسقدر
دل کہ برگِ نازکِ گُل سے بھی تھا پاکیزہ تر
موت کے اندیشۂ جانکاہ سے بیگانہ تھا
موجۂ خوں کی ہم آغوشی سے بھی ڈرتا نہ تھا
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی
سینۂ ملّت میں ایسا جلوۂ نادیدہ تھا
جسکے نظارہ میں اک عالم سراپا دیدہ تھا
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

بلادِ اسلامیہ

سرزمیں دلّی کی مسجودِ دلِ غم دیدہ ہے
ذرّہ ذرّہ میں لہو اسلاف کا خوابیدہ ہے

پاک اِس اُجڑے گلستاں کی نہ ہو کیونکر زمیں | خانقاہِ عظمتِ اسلام ہے یہ سر زمیں
سوتے ہیں اس خاک میں خیر الامم کے تاجدار | نظمِ عالم کا رہا جن کی حکومت پر مدار

دِل کو تڑپاتی ہے ابتک گرمیٔ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

ہے زیارت گاہِ مُسلم گو جہاں آباد بھی | اس کرامت کا مگر حقدار ہے بغداد بھی
یہ چمن وہ ہے کہ تھا جسکے لئے سامانِ ناز | لالۂ صحرائے یثرب یعنی تہذیبِ حجاز
خاک اِس بستی کی ہو کیونکر نہ ہمدوشِ ارم | جسنے دیکھے جانشینانِ پیمبر کے قدم

جِسکے غنچے تھے چمن ساماں وہ گلشن ہے یہی
کانپتا تھا جن سے روما اُنکا مدفن ہے یہی

ہے زمینِ قرطبہ بھی دیدۂ مسلم کا نور | ظلمتِ مغرب میں جو روشن تھی مثلِ شمعِ طور
بجھ کے شمعِ ملتِ بیضا پریشاں کر گئی | اور دیا تہذیبِ حاضر کا فروزاں کر گئی

قبر اس تہذیب کی یہ سرزمینِ پاک ہے
جس سے تاکِ گلشنِ یورپ کی رگ نمناک ہے

شہرِ قسطنطنیہ یعنی کہ قیصر کا دیار | مہدیٔ اُمت کی سطوت کا نشانِ پائیدار
صورتِ خاکِ حرم یہ سرزمیں بھی پاک ہے | آستانِ مسند آرائے شہِ لولاک ہے
نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا | تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا

کشورِ اسلام کا اے مسلمو دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کے کشت و خون کا حاصل ہے یہ شہر

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفےٰ | دید ہے کعبہ کو تیری حجِ اکبر سے سوا

خاتم ہستی میں تو تاباں ہے مانند نگیں — اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں

تجھ میں راحت اس شہنشاہ معظم کو ملی — جسکے دامن میں اماں اقوام عالم کو ملی

نام لیوا جس کے شاہنشاہ عالم کے ہوئے

جانشیں قیصر کے وارث مسند جم کے ہوئے

ترانۂ مسلم

چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا — مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا — ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

تیغوں کے سائے میں ہم پلکر جوان ہوئے ہیں — خنجر ہلال کا ہے قومی نشاں ہمارا

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے — ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم — سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

اے ارض پاک تیری حرمت پہ کٹ مرے ہم — ہے خوں تیری رگوں میں ابتک رواں ہمارا

مغرب کی وادیوں میں گونجی اذاں ہماری — تھمتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا

اے موج دجلہ تو بھی پہچانتی ہے ہم کو — ابتک ہے تیرا دریا افسانہ خواں ہمارا

اے گلستان اندلس وہ دن ہیں یاد تجھ کو — تھا تیری ڈالیوں میں جب آشیاں ہمارا

سالار کارواں ہے میر حجاز اپنا — اس نام سے ہے باقی نام و نشاں ہمارا

اقبال کا ترانہ بانگ درا ہے گویا

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

ہلالِ عید

غرۂ شوال اے نورِ نگاہِ روزہ دار
آ کہ تھے تیرے لئے مُسلم سراپا انتظار

تیری پیشانی پہ تحریر پیامِ عید ہے
یعنی تیری شام صبحِ عیش کی تمہید ہے

سرگزشتِ ملّتِ بیضا کا تو آئینہ ہے
اے مہِ نو ہمکو تجھ سے اُلفتِ دیرینہ ہے

جس علم کے سائے میں تیغ آزما ہوتے تھے ہم
دشمنوں کے خون سے رنگیں قبا ہوتے تھے ہم

زندگی تیری زمیں بوسی اسی رایت کی ہے
حسنِ روز افزوں سے تیرے آبرو ملت کی ہے

آشنا پرور ہے قوم اپنی وفا آئیں ترا
ہے محبت خیز یہ پیراہنِ سیمیں ترا

وسعتِ ہستی میں گو رفعت تجھے منظور ہے
اے فلک مسکن افق گردی ترا دستور ہے

آج گردوں سے ذرا دُنیا کی بستی دیکھ لے
اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے

ایک حاجی مدینہ کی راہ میں

قافلہ لوٹا گیا صحرا میں اور منزل ہے دُور
اس بیاباں یعنی بحرِ خشک کا ساحل ہے دُور

ہم سفر میرے شکارِ دشنۂ رہزن ہوئے
بچ گئے جو ہو کے بیدل سُوئے بیت اللہ پھرے

اس بخاری نوجواں نے کس خوشی سے جان دی
موت کے زہراب میں پائی ہے اس نے زندگی

خنجرِ رہزن اُسے گویا ہلالِ عید تھا
ہائے یثرب دل میں۔ لب پر کلمۂ توحید تھا

بے زیارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤنگا کیا
عاشقوں کو روزِ محشر منہ نہ دکھلاؤنگا کیا

گو سلامت محملِ شاہی کی ہمراہی میں ہے
عشق کی لذت مگر خطروں کی جانکاہی میں ہے

خوفِ جاں رکھتا نہیں کچھ دشت پیمائے حجاز
ہجرتِ مدفونِ یثرب میں یہی مخفی ہے راز

خوف کہتا ہے کہ یثرب کیطرف تنہا نہ چل
شوق کہتا ہے کہ مسلم ہے تو بے باکانہ چل

آہ یہ عقلِ زیاں اندیش کیا چالاک ہے
اور تاثر آدمی کا کسقدر بیباک ہے

شفاخانۂ حجاز

اِک پیشوائے قوم نے اقبال سے کہا
کھُلنے کو جدّہ میں ہے شفاخانۂ حجاز

ہوتا ہے تیری خاک کا ہر ذرہ بیقرار
سُنتا ہے تو کسی سے جو افسانۂ حجاز

دستِ جنوں کو اپنے بڑھا جیب کی طرف
مشہور تو جہاں میں ہے دیوانۂ حجاز

دارالشفا حوالیِ بطحا میں چاہیئے
نبضِ مریض پنجۂ عیسےٰ میں چاہیئے

میں نے کہا کہ موت کے پردے میں ہے حیات — پوشیدہ جسطرح ہو حقیقت مجاز میں
تلخابۂ اجل میں جو عاشق کو مل گیا — پایا نہ خضر نے مۓ عمرِ دراز میں
دیں اور کو حضور یہ پیغام زندگی — میں موت ڈھونڈتا ہوں زمینِ حجاز میں

آئے ہیں آپ لے کے شفا کا پیام کیا
رکھتے ہیں اہلِ درد مسیحا سے کام کیا

ایثارِ صدیق

اکدن رسولِ پاک نے اصحاب سے کہا — دیں راہِ حق میں مال جو ہوں تم میں مالدار
ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمر بڑھے — اُس روز اُنکے پاس تھے درہم کئی ہزار
دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور — بڑھکر رکھیگا آج قدم میرا راہوار
لائے غرض کہ مال رسولِ خدا کے پاس — ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار
پوچھا حضور سرورِ عالم نے اے عمرؓ — اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دلکو ہے قرار
رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا — مسلم ہے اپنی خویش و اقارب کا حق گذار
کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق — باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیقِ نبوّت بھی آگیا — شاہد ہے جسکے مہر و وفا پر حرا کا غار
ملکِ یمین درہم و دینار و رخت و جنس — اسپ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضور چاہیئے فکرِ عیال بھی — کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانوں کو چراغ عنادل کو پھول بس
صدیقؓ کیلئے ہی خدا کا رسول بس

خطاب بہ مُسلم

مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ ہنگامہ آرا تو بھی ہو
وہ نکل آئی سحر گرمِ تقاضا تو بھی ہو
دورۂ عالم میں وہ پیما ہو مثلِ آفتاب
دامنِ گردوں سے ناپیدا ہو یہ داغِ سحاب
کھینچکر خنجر کرن کا پھر ہو سرگرمِ ستیز
پھر سکھا تاریکیِ باطل کو آدابِ گریز
تو سراپا ناز ہے زیبا ہے عریانی تجھے
اور عریاں ہو کے لازم ہی خود افشانی تجھے
ہاں نمایاں ہو کے برقِ دیدۂ خفّاش ہو
اے دلِ کون و مکاں کے رازِ مضمر فاش ہو

جزیرۂ سسلی

رو لے اب دل کھول کر اے دیدۂ خوں نابہ بار
وہ نظر آتا ہے تہذیبِ حجازی کا مزار
یہ محل خیمہ تھا اُن صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جنکے سفینوں کا کبھی

زلزلے جن سے شہنشاہوں کے درباروں میں تھے — بجلیوں کے آشیانے جنکی تلواروں میں تھے

اک جہانِ تازہ کا پیغام تھا جنکا ظہور — کھا گئی عصرِ کہن کو جنکی تیغ ناصبور

زندگی دنیا کو جن کی شورشِ قُم سے ملی — مخلصی انسان کو زنجیرِ توہم سے ملی

جنکے آوازہ سے لذت گیر ابتک گوش ہے
وہ جرس کیا اب ہمیشہ کیلئے خاموش ہے

آہ اے سسلی سمندر کی ہی تجھ سے آبرو — رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو

زیب تیرے خال سے رخسارِ دریا کو رہے — تیری شمعوں سے تسلی بحر پیما کو رہے

ہو سبک چشمِ مسافر پر ترا منظر مدام — موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام

تو کبھی اس قوم کی تہذیب کا گہوارہ تھا — حسنِ عالم سوز جنکا آتش نظارہ تھا

نالہ کش شیراز[۱] کا بلبل ہوا بغداد پر — داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر

آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی — ابن بدروں[۲] کے دلِ ناشاد نے فریاد کی

غم نصیبِ اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا — چن لیا تقدیر نے وہ دِل جو تھا محرم ترا

مرثیہ تیری تباہی کا مری قسمت میں تھا — یہ تڑپنا اور تڑپانا مری قسمت میں تھا

ہے ترے آثار میں پوشیدہ کسکی داستاں — تیرے ساحل کی خموشی میں ہے اندازِ بیاں

درد اپنا مجھ سے کہہ میں بھی سراپا درد ہوں — جسکی تو منزل تھا میں اس کارواں کی گرد ہوں

رنگ تصویرِ کہن میں بھر کے دکھلا دے مجھے — قصہ ایامِ سلف کا کہہ کے تڑپا دے مجھے

---

۱ شیخ سعدی رحمۃ اللہ ۱۲ ۲ ایک عربی شاعر ہے ۱۲

میں ترا تحفہ سوئے ہندوستان لیجاؤنگا
خود یہاں روتا ہوں اوروں کو وہاں رلواؤنگا

اصغر

نعت شریف

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جز اینکہ لطف خلشہائے نالہ بے سود

مگر یہ لطف بھی ہے کچھ حجاب کے دم سے
جو اُٹھ گیا کہیں پردہ تو پھر زیاں ہے نہ سود

کہو یہ عشق سے چھیڑے تو ساز ہستی کو
ہر ایک پردہ میں ہے نغمۂ ہو الموجود

یہ کون سامنے ہے؟ صاف کہہ نہیں سکتے
بڑے غضب کی ہے نیرنگیٔ طلسم نمود

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا، کہ ترا حُسن ہو گیا محدود

جو عرض ہے، اسے اشعار کیوں مرے کہئے
اُچھل رہے ہیں جگر پارہ ہائے خون آلود

نہ میرے ذوق طلب کو ہے مُدعا سے غرض
نہ گام شوق کو پروائے منزل مقصود

مقام جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے
میں بیخبر ہوں باندازۂ فریب شہود

مرا وجود ہی خود انقیاد و طاعت ہے
کہ ریشہ ریشہ میں ساری ہے اک جبینِ سجود

ہلائے عشق نہ یوں کائنات عالم کو
یہ ذرّے دے نہ اُٹھیں سب شرار لا مقصود

جو اُڑ کے شوق میں یوں محو آفتاب ہوا
عجب بلا تھا یہ شبنم کا قطرۂ بے بود

چلوں میں جان حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذن سجود

وہ رازِ خلقتِ ہستی وہ معنیٔ کونین
وہ جانِ حُسنِ ازل وہ بہارِ صبحِ وجود

وہ آفتابِ حرم نازنینِ کنجِ حرا
وہ دل کا نور، وہ اربابِ درد کا مقصود

وہ سرورِ دو جہاں وہ محمدؐ عربی
بہ رُوحِ اعظم و پاکش درود نا محدود

ضیائے حُسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستانِ غیب و بزمِ شہود

نگاہِ ناز میں پنہاں ہیں نکتہ ہائے فنا
چُھپا ہے خنجرِ ابرو میں رمزِ لاموجود،،

وہ مستِ شاہدِ رعنا نگاہ سحر طراز
وہ جام نیم شبی نرگسِ خمار آلود

کچھ اس ادا سے میرا اُسنے مُدعا پوچھا
ڈھلک پڑا میری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

ذرا خبر نہ رہی ہوش و عقل و ایماں کی
یہ شعر پڑھکے وہیں ڈالدی جبینِ سجود

چوں بعد خاک شدن یا زیاں بود یا سُود
بہ نقد خاک شوم بنگرم چہ خواہد بُود (عارف رومی)

نجم

تنبیہ مسلم

سینہ کوہ جسے سُن کے دہل جاتا تھا | لیکے وہ بارِ امانت تو سنبھل جاتا تھا
لن ترانی کی صدا سُن کے مچل جاتا تھا | ایک جلوے کیلئے آگ میں جل جاتا تھا
سازِ توحید کا اک نغمہ بیتاب تھا تو | ایک جوہر تھا مگر ایسا نہ کمیاب تھا تو
مثلِ نرگس نہ کبھی شیفتۂ خواب تھا تو | سرعتِ برق تھا تو ہستی سیماب تھا تو

جستجو کی وہ مگر تیری ادائیں نہ رہیں
ذوق آلودہ وہ پُر درد صدائیں نہ رہیں

ہو کے نکہت تجھے پرہیز پریشانی سے | گل ہی اور ڈر تجھے آشفتہ گریبانی سے
جلوہ ہو کر تو جھجکنے لگا عُریانی سے | شعلہ ہو کر یہ حذر سوختہ سامانی سے
کیا ترا بیعتِ رضواں میں یہی پیمان تھا | کیا یہی درس علیؓ و عمرؓ و عثمانؓ تھا
یہی اسلام تھا پہلے بھی یہی ایمان تھا | کیا شہِ یثرب و بطحا کا یہی فرمان تھا

جا نکل تو ہے مذلت کا اگر متوالا
ترا محتاج نہیں گنبد خضرا والا

حشر

شکریۂ یورپ

مدتوں سے نغمۂ توحید محوِ خواب تھا — سازِ ہستیٔ مسلماں تشنۂ مضراب تھا
پیکرِ احساس میں خوابیدہ روحِ درد تھی — شعلہ ریزی نواہائے اخوت سرد تھی
کرچکا تھا اپنی ہستیٔ مسلم پرجوش گم — گرم ہنگامہ تھی سب، یہ محشرِ خاموش گم
ماضیٔ رنگیں تماشہ حیرتی حال تھا — روزگارِ جلوہ زا کے لب پہ کیف الحال[۱] تھا
آمدورفتِ نفس لاتی تھی پیغام حیات — ورنہ نذرِ خود فراموشی تھا ناکام حیات
چشمِ بینا حیرتِ طفلانہ کا گہوارہ تھی — صرفِ تعمیرِ تحیّر، طاقتِ نظارہ تھی
نغمہ سنجِ قدس چپ تھا گلشنِ تکبیر میں — بند تھا شورِ انا مسلم[۲] لبِ تقریر میں
مدفنِ صد جلوۂ آشوب زا آئینہ بود — یک جہانِ بیقراری دم بخود در سینہ بود[۳]

۱؎ کیا حال ہے، ۲؎ میں مسلمان ہوں ۳؎ اس کے سینے میں بلا کا جوش و خروش دفن تھا۔

وہ پیامِ آخری اسلام جسکا نام تھا — وہ ظہورِ صدق جو پروردۂ الہام تھا
وہ تجلیِ حقیقت، جو ضلالت سوز تھی — گرمیِ قلبِ محمدؐ سے تپش اندوز تھی
روشنی دُنیا کو دی، جس مہرِ عالمتاب نے — زنگِ فطرت دھو دیا جس نور کے سیلاب نے
ظلمت آگیں خلقتِ انساں کو مینا کر دیا — سنگریزے کو جلا دے کر نگینہ کر دیا
شعلے پیدا کر دیے خاکسترِ افسردہ میں — زندگی کی لہر دوڑا دی حیاتِ مُردہ میں
شورشِ ہنگامہ آرا آبِ گِل میں ڈالدی — شور بادل کا تڑپ بجلی کی دل میں ڈالدی
ایک ہلچل پڑ گئی جذباتِ زنگ آلود میں — آگ سی گویا لگا دی، تودۂ بارود میں

بارہا[۱] نالید و گفت اے قومِ ما بیدار شو!
حصۂ خود از حریفاں گیر و گرمِ کار شو!

ہاں چھڑک پیشانیِ ظلمت پہ افشانِ سحر — ٹانک دے دامانِ شب میں پھر گریبانِ سحر
بہرہ ور کر دِل کو سوزِ احمدِ بے میم سے — جگمگا دے بزمِ جاں کو شمعِ ابراہیمؑ سے
اپنی ہستی نذر دے مِلت کی قربانگاہ کو — زندہ کر دُنیا میں آئینِ خلیل اللہ کو
ڈالدے شورِ نوا! معمورۂ ظلمات میں — دوڑ جا آہنگ بنکر سازِ موجودات میں
خاک کو بھر دے سرورِ آسماں پرواز سے — گرم کر دے رُوحِ ہستی شعلۂ آواز سے
حسنِ آرائش سے زینت عالمِ امکاں کو دے — خلعتِ تجدید آئینِ کہن ساماں کو دے
کلیاتِ دہر کی اک شرحِ نو تحریر کر! — نظمِ ہستی کی نئے الفاظ میں تفسیر کر!

طرحِ[۲] نو انداز، بنیادِ جہاں از سر فگن!

۱؎ بارہا کہا کہ اے ہماری قوم جاگ۔ اور سرگرمِ عمل ہو جا ۱۲
۲؎ نئی دُنیا تعمیر کر اور خشک و تر میں آگ لگا دے ۱۲

شعلہ در پیراہنی آتش بہ خشک و تر فگن!

تیری لب بندی سبق آموزِ گویائی ہوئی
طعنہ زن ہیں تجھ پہ قومیں تیری شکرائی ہوئی

آج اُن ذرّوں کو بھی نازِ اپنی تابانی پہ ہے
تیرے دَر کا نقشِ سجدہ جنکی پیشانی پہ ہے

منتظر نظارے ہیں چشمِ خمار آلود کھول
اُٹھ! کلیدِ فتح بن قفلِ درِ مقصود کھول

اے خوشا غفلت! جو ممنونِ اثر کچھ بھی نہیں
کان نے سب کچھ سُنا دلکو خبر کچھ بھی نہیں

گو صدائے ہمّت افزا تا بگوش آتی رہی
نالہ بنکر پیہم آوازِ سروش آتی رہی

پھر بھی ننگِ زندگی آسودہ خواری رہا
سونے والے پر وہی خوابِ گراں طاری رہا

جب تغافل اپنا شیوہ خفتہ قسمت نے کیا
اور ہی سامانِ بیداری مشیّت نے کیا

دفعتہً از جلوۂ عیسیٰؑ اُفق تابندہ شد
قُم باذنی گفت مغرب[1] رُوحِ مشرق زندہ شد

گرچہ اک دُنیا کا دل تیری طرف سے خون ہے
اُمتِ خیرالورٰے۔ لیکن تیری ممنون ہے

کون ہوں! کیا ہوں! کہاں ہوں! سب حقیقت کھُل گئی
تو نے وہ ٹھوکر لگائی چشمِ ملّت کھُل گئی

چوٹ کھا کر بھر گیا دل لذّتِ ایثار سے
جلوے جاگے شیشۂ بشکستہ کی جھنکار سے

یک بیک خونِ تنِ بیجاں میں ہیجان آگیا
قطرہ دریا بنگیا، دریا میں طوفان آگیا

چونک اُٹھی رُوحِ اخوّت ایک۔ دلِ خستہ ہوئے
پتیاں گُل بنگئیں، گُل مِل کے گلدستہ ہوئے

ہو گئیں بکھری ہوئی اینٹیں بہم تعمیر کی،
مِل گئی ہر اک کڑی، ٹوٹی ہوئی زنجیر کی

بُت شکن وحدت پرست اک جسم اک جان ہو گئے
غُل ہوا دنیا میں پھر کافر مسلماں ہو گئے

---

[1] مغرب کے علم نے مشرق کو جگا دیا ۱۲

از کرم بپسندیر یارب! جوش بے اندازہ را[1]

تا قیامت زندہ دار! ایں زندگی تازہ را

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لئے
بادلو ہٹ جاؤ دیدو! راہ جانے کیلئے

اے دُعا! ہاں عرض کر، عرشِ الٰہی تھام کے
اے خدا! اب پھیر دے رُخ گردشِ ایّام کے

صُلح تھی کل جن سے، اب وہ برسرِ پیکار ہیں
وقت اور تقدیر دونوں درپئے آزار ہیں

ڈھونڈتے ہیں اب مداوا سوزشِ غم کیلئے
کر رہے ہیں زخمِ دل فریاد مرہم کے لئے

رحم کر اپنے نہ آئینِ کرم کو بھول جا!
ہم تجھے بھولے ہیں، لیکن تو نہ ہمکو بھول جا

خلق کے راندے ہوئے دُنیا کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب تیری در پر ہاتھ پھیلائے ہوئے

خوار ہیں، بدکار ہیں، ڈوبے ہوئے ذلّت میں ہیں
کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوب کی اُمت میں ہیں

حق پرستوں کی اگر کی تونے دلجوئی نہیں

طعنہ دینگے بُت، کہ مُسلم کا خدا کوئی نہیں

موجِ زمزم

آسماں ہے محفلِ ہستی میں میخانہ مرا
کہکشاں میری صراحی چاند پیمانہ مرا

ہر نفس سے بربطِ گیتی پہ ہوں مضراب زن
اضطرابِ برق ہی اک رقصِ مستانہ مرا

---

[1] الٰہی اس نئی زندگی کو ہمیشہ قائم رکھ ۱۲

ساغرِ ہستی میں ہو جس میں ارتعاشِ موجِ نور
جلوہ زارِ زندگی ہو مجھ سے میخانہ مرا

بارشِ مستی کی جلووں سے ہے فردوس آفریں
ہو شرابِ نور سے شاداب ویرانہ مرا

نکہتِ صہبائے مستی سحر ہو تعمیرِ حیات
دہر میں موجِ رنگ و بو ہے کاشانہ مرا

دولتِ صبحِ قدم ہوں مایۂ شامِ حدوث
گلشنِ جنّت تو اے رضوان ہے بیعانہ مرا

جرعۂ جامِ مے گلرنگ سے ایک ایک حرف
بزمِ کُن کو مست کر دیتا ہے افسانہ مرا

شعلہ آشام[1] محبّت ز آتشِ دیرینہ ام
ساقیم در یثرب و خمخانہ اش در سینہ ام

جلوہ پرورِ چراغِ خلوتِ الہام ہوں
مَیں امانتدارِ سوزِ سینۂ اسلام ہوں

ہے بھری جس میں شرابِ خندۂ صبحِ ازل
میں کفِ روح القدس پر وہ چھلکتا جام ہوں

ظلمتِ ہستی چرا لائی ہے جیبِ نور سے
دولتِ گم کردۂ چرخِ زمرّد فام ہوں

میری عظمت کی کہانی ہے حدیثِ کائنات
حاصلِ افسانۂ اوراقِ صبح و شام ہوں

میرے دم سے عنبر آگیں ہے مشامِ روزگار
دہر میں نکہت فروشِ طرّۂ الہام ہوں

لیکے آیا ہوں نویدِ کوثر آشامی یہاں
ساقیٔ خمخانۂ بطحا کا مَیں پیغام ہوں

آ تجھے بھی مست کر دوں نغمہائے عشق سے
سُن کہ گلبانگِ نوا پروازیٔ ایام ہوں

می طپد[2] صد جلوۂ شاداب در جانم ہنوز
تشنۂ ذوقِ تماشا ہست طوفانم ہنوز

---

[1] ازل سے محمدؐ کے عشق میں سرشار ہوں ۱۲

[2] مسلم کے دل میں اب سینکڑوں جلوے ہیں ۱۲

آج اُسکی آستاں بوسی کا مجھ کو ناز ہے
آسماں محفل میں جسکی فرشِ پا انداز ہے

مَیں غلام اُسکا ہوں جس آقا کا نام پر جلال
دفترِ کونین کا سر رشتۂ آغاز ہے

اے مہِ یثرب اُسنادے مژدۂ لَا تَقنَطُوا[1]
بیکسی شرمِ عصیاں گوش برآواز ہے

تو پیامِ آخری قرآں کلامِ آخری
اک تتمہ اور اک شرحِ کتاب راز ہے

ہے بھری دریوزہ رُخ سی ترے کشکول طور
شعلۂ سینا گدائے جلوہ گاہِ ناز ہے

کسقدر نظارہ پرور جلوۂ معراج تھا
آجتک شوقِ لقا میں چشمِ انجم باز ہے

ہے دلِ جبریلؑ شوقِ ہمعنانی کا شہید
دامنِ زخم تمنا جادۂ پرواز ہے

برقِ حسن تو ہمیں ساماں زخشک و تر گذاشت
از متاعِ شوق در دل مشتِ خاکستر گذاشت[2]

اک سکوتِ یاس تھا دنیائے ظلمت کار میں
سو رہی تھی صبح آغوشِ شب بیدار میں

تو نے آکر شب پرستانِ چمن کیواسطے
کی سحر پیدا گلستانِ خزاں آثار میں

بہ گیا سوئے فنا خود اپنی طغیانی میں کفر
آگیا سیلاب موجِ رشتۂ زنّار میں

کعبۂ وحدت کے آگے جھک گئی تعمیرِ شرک
ہو گئے بیتاب سجدے جبہۂ دیوار میں

رُوح نے خالق سی کی تجدید پیمانِ الست
نغمۂ ماضی ہوا پیدا شکستہ تار میں

دل کی کھیتی لہلہا اُٹھی تری تکبیر سے
تھا نہاں طوفانِ شادابی لبِ گفتار میں

پرتوِ رخ سے ترے اے نو بہارِ کائنات!
شمعِ گل روشن ہی ہر ویراں سرائے خار میں

---

[1] اے خدا کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو ۱۲

[2] حسن کی آگ نے دِل میں سب کچھ جلا دیا ہے ۱۲

تا بدورِ[۱] آخری از دستِ تو ساغر گرفت
این کہن میخانہ را کیفیتِ دیگر گرفت

اے خدا دے زورِ دستِ خالدؓ و حیدرؓ ہمیں — پھر اُلٹنا ہے صفِ کفر و درِ خیبر ہمیں
مست تھی جسکے نشہ سے رُوحِ سلمانؓ و بلالؓ — ہاں پلا دے پھر وہی صہبائے کیف آور ہمیں
دِل صنم خانہ بنا ہے یادِ غیر اللہ سے — بُت بھی اب کہنے لگے مسلم نما کافر ہمیں
المدد اے نعرۂ اللّٰہ اکبر المدد — بُتکدے کو پھر بنانا ہے خدا کا گھر ہمیں
تیری رحمت دیتی جاتی ہو تسلّی ساتھ ساتھ — لیکچلے جب شرمساری جانبِ محشر ہمیں
ڈگمگاتے ہیں گرے جاتے ہیں تیرے ناتواں — اے تری رحمت کے صدقے تھام لے بڑھکر ہمیں
تیرے در کو چھوڑ کر ہم بینوا جائیں کہاں — یا بتا دے اور کوئی اپنے جیسا گھر ہمیں

دوسروں کو زور و زر دے عیش دے آرام دے!
اور ہمیں اس دولتِ دنیا سو صرف اسلام دے

ظفر علی

شمع حرا

وہ شمع اُجالا جسنے کیا چالیس برس تک غاروں میں — اک روز جھلکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں

۱؎ تو آخری نبی ہے ۱۲

رحمت کی گھٹائیں پھیل گئیں افلاک کے گنبد گنبد پر
وحدت کی تجلی کوند گئی آفاق کے سینازاروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو
یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں

جو فلسفیوں سے کھل نہ سکا اور نکتہ وروں سے حل نہ ہوا
وہ راز اک کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ
ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

جس میکدہ کی اک بوند سی بھی لب کچکولوں کے تر نہ ہوے
ہیں آج بھی ہم بے مایہ گدا اس میکدہ کے سرشاروں میں

ہم حق کے علم برداروں کا ہے اب بھی نرالا ٹھاٹھ وہی
بادل کی گرج تکبیروں میں بجلی کی تڑپ تلواروں میں

مسلم

تو نے اے مسلم کچھ اپنی قدر پہچانی بھی ہے
تو ہے انساں تجھ میں لیکن شان یزدانی بھی ہے

فرش پر ہیں پاؤں تیرے عرش پر ہے سر ترا
نصف تو خاکی ہے لیکن نصف نورانی بھی ہے

جس تمدن سے ہوئی ہے خیرہ چشم روزگار
سرمہ اسکا تیرے نقش پا کی حیرانی بھی ہے

نیل کی موجیں اگر کرتی ہیں تیری جستجو
ڈھونڈتی پھرتی تجھے گنگا کی جولانی بھی ہے

مرحمت تجھ کو ہوا ایمان بھی اور عقل بھی
تیری دانائی میں شامل تیری نادانی بھی ہے

مشرق و مغرب کے گنجینوں سے تو ہے بہرہ ور
تیری الماری میں ملٹن بھی ہے قاآنی بھی ہے

مرتبہ جسکی بدولت تجھکو یہ حاصل ہُوا
کوئی اُسکا آج کے دن تک ہُوا ثانی بھی ہے

ڈال رکھی ہی گلیمِ فقر اُس نے دوش پر
اُسکے سر پر ساتھ ہی تاجِ جہانبانی بھی ہے

وہ خدا سے دُور بھی ہی اور خدا کے پاس بھی
وہ رسول اللہ بھی ہی ظلِّ سبحانی بھی ہے

مدح خواں ہوں میں رسول اللہ کا میرا صلہ
عالمِ باقی بھی ہی اور عالمِ فانی بھی ہے

میری نذرِ گوہریں پہنچیگی اُن تک خود بخود
موتیوں میں گرد رخشانی ہے غلطانی بھی ہے

اخلاقِ مرتضوی

روایت ہی کہ اک سرکش یہودی
ہُوا جنگ آزما شیرِ خدا سے

نہ تھا اس امر سے شاید وہ آگاہ
کہ یہ کشتی وہ لڑتا ہی قضا سے

جو اپنی جان کا ہو آپ دشمن
وہی اُلجھے علیؑ مرتضےٰ سے

ہُوا واقف وہ پہلی ہی پکڑ میں
علی رض کے زورِ حرب آزما سے

زمیں پر آ رہا گرتا ہے جس طرح
خزاں کا آخری پتّا ہوا سے

کھڑی تھی موت اُسکے سر پہ اسوقت
نہ تھا جس کو مفر سیلِ فنا سے

بہ رنگِ ذوالفقار اُسکے لہو کے
نظر آتے تھے عرش و فرش پیاسے

یہودی نے یہ جب دیکھا کہ ہرگز
نہیں ممکن ہے بچنا اس بلا سے

مقابل چاند تھا تھوکا اسی پر
طبیعت کے پُرانے اقتضا سے

کہ نکلے آخری نفرت کی حسرت ۔۔۔ اسی رچیلے دلِ کفر آشنا سے
یہ گستاخانہ یہ بیہودہ حرکت ۔۔۔ جونہی سرزد ہوئی اس ناسزا سے
ہٹا روکا علیؑ نے ہاتھ اپنا ۔۔۔ وہ جو دو ہاتھ آگے تھا قضا سے
کیا خوں بھی معاف اور یہ خطا بھی ۔۔۔ نئے احساں سے تھے لبریز کاسے
جرائم سے نوازش کچھ سوا تھی ۔۔۔ عطائیں بڑھتی جاتی تھیں خطا سے
یہودی بن گیا تصویرِ حیرت ۔۔۔ امیرالمؤمنیں کی اس ادا سے
لگا کہنے کہ اے سردارِ ذی جاہ ۔۔۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا اور کس مدعا سے
مجھے کیوں آپ نے محروم رکھا ۔۔۔ میرے مغلوب ہونے کی سزا سے
کیا کیوں میری اس حرکت سے اغماض ۔۔۔ جو ہے مذموم بڑھ کر انتہا سے
مکافاتِ عمل کا یہ تصوّر ۔۔۔ ہے بالاتر میری فکرِ رسا سے
جواب اس نکتۂ باریک کا یوں ۔۔۔ ملا اُسکو لبِ مشکلکشا سے
جو سچ پوچھے تو غصّہ آگیا تھا ۔۔۔ مجھے اس تیرے فعلِ ناروا سے
مگر یہ غصّہ رکھتا تھا تعلّق ۔۔۔ فقط میرے ہی نفسِ فتنہ زا سے
میں اُس حالت میں تجھ کو قتل کرتا ۔۔۔ تو ہوتا سُرخ رُو کیونکر خدا سے
کہ میں جو کام بھی کرتا ہوں اس میں ۔۔۔ غرض ہوتی ہے مولا کی رضا سے
یہودی سُن چکا اچھی طرح جب ۔۔۔ یہ ارشاد انتہا تک ابتدا سے
پُکار اُٹھا کہ ہے اسلام سچّا ۔۔۔ ہے دُنیا قائم اس دینِ ہُدا سے
تہی داماں رہا ہوں آجتک میں ۔۔۔ چُنوں گا پھول اب اس بستاں سرا سے
میرا گھر شعلہ زارِ طور ہوگا ۔۔۔ اب اس شمعِ فروزاں کی ضیا سے

نہ سرتابی کروں گا آج کے بعد
خدا سے اور محمدؐ مصطفٰےؐ سے

سواراج

ہے کل کی ابھی بات کہ تھے ہند کے سرتاج
دیتے تھے تمہیں آکے سلاطینِ زمن باج

یارنگ زمانہ نے یہ بدلا ہے کہ تم کو
دُنیا کی ہراک قوم سمجھتی ہے ذلیل آج

دامانِ نگہ جسکی فضا کیلئے تھا تنگ
وہ باغ ہوا دیکھتے ہی دیکھتے تاراج

محفل میں ضیا بیز نہ ساقی ہے نہ ساغر
گلشن میں نوا ریز نہ صلصل ہے نہ درّاج

سوچو تو ذرا تم کہ تمہارا ہی سفینہ
کیوں ہوگیا بازیچۂ زخاریٔ امواج

ہر برق جو کوندی ہے گری ہے وہ تمہیں پر
ہر فتنہ جب اُٹھتا ہے تمہیں بنتے ہو آماج

جبتک رہے تم دست نگر اپنے خدا کے
ہونے نہ دیا اُسنے تمہیں غیر کا محتاج

جسوقت مگر ہاتھ سے سررشتہ رضا کا
چھوٹا تو نہ تھا بخت نہ تھا تخت نہ تھا تاج

جُھک جاؤگے اب بھی اگر اللہ کے آگے
بن جاؤگے گر خاک درِ صاحبِ معراج

مٹی بھی اچھالوگے تو ہو جائیگی سونا
کنکر بھی اُٹھالوگے تو بن جائیگا پکھراج

جو ہو گئے اُسکے وہ ہوا اُنکا نگہباں ۔ اُسکی ہے جنہیں شرم ہے اُنکی بھی اُسے لاج
ترکوں ہی کو دیکھو کہ جب اُسپر ہوئے قرباں ۔ یورپ کی دھری رہ گئی سب کثرتِ افواج
داتا کی یہ ہے دین ہیں رنگ اُسکے نیارے ۔ مانگے نہ ملی بھیک نہ مانگا تو ملا راج
اک سجدہ میں حاصل ہوئے جاتے ہیں دو عالم ۔ وہ کیوں نہ کرو بات کہ اک پنتھ ہوں دو کاج

مٹ جاؤ مگر حق کو نہ مٹتے ہوئے دیکھو
سیکھو یہ روش گر تمہیں لینا ہے سواراج

تاجور

دُعا

جب مصیبت بڑھ گئی حد سے دلِ ناشاد پر ۔ تب کیا مجبور فطرت نے خدا کی یاد پر
اس کے در پر جھک گئی ہر اک کی سیمائے نیاز ۔ اس سے رو کر عرض کی سب نے کہ اے بیکس نواز
مسلموں کو شکوۂ مہر و محبت تجھ سے ہے ۔ آہ تیری بے نیازی کی شکایت تجھ سے ہے
اُمتِ احمدؐ کی درد انگیز بدحالی تو دیکھ ۔ اپنے کعبہ کے نگہبانوں کی پامالی تو دیکھ

ہم سے تیری رحمتِ عام اسقدر کیوں دور ہے
کچھ ہمیں معلوم تو ہو کیا تجھے منظور ہے

ہلالِ عید

پیامِ عیش ہے اہلِ جہاں کو تیری نمود
تراوجود ہی رونقِ فروزِ بزمِ وجود
ہے تیرے آئینہ میں عکسِ جلوۂ مقصود
ہیں تجھ میں سب کیلئے دلفریبیاں موجود

شرابِ عیش سے لبریز ہی یہ جام ترا
ہلالِ عید ہے اے ماہِ عید نام ترا

وہ دن بھی تھے کبھی تجھ سے بہت تھا پیار ہمیں
ترا مہینوں سے رہتا تھا انتظار ہمیں
تھا دلفروز ترا حُسنِ جلوہ بار ہمیں
تھی بوستانِ مسرت تری بہار ہمیں

ہمارے حق میں بھی تھی عید تیری دید کبھی
ہمارے واسطے بھی تھا ہلال عید کبھی

جفائے دہر نے اب کر دیا ہمیں پامال
مسرتوں کا تو کیا ذکر ہیں غموں سے نڈھال
ہے ایک ایک گھڑی غم کی ہم پہ اک اک سال
وہ حال ہو کہ ہمیں اپنی زندگی ہو وبال

زمانِ عیش و مسرت اب اک فسانہ ہی
وہ وقت بھی تھا کبھی یہ بھی اک زمانہ ہی

نہیں ہے تابِ اظہارِ حالِ زار و نزار
کھٹک رہی ہے اب آنکھوں میں زندگی کی بہار
دلِ فگار ہمارا ہے حسرتوں کا مزار
ہم آج بیٹھے ہیں خود اپنی زیست سے بیزار

سنا رہا ہے خوشی کا خیال کیوں ہمکو!
حلال کرتی ہی تیغِ ہلال کیوں ہم کو!

فضائے مصر ہے معمور نالہ و فریاد   ہیں وقفِ جورِ سمرنا کے خانماں برباد
یروشلم ہو کہ ہو ہند یا عروسِ بلاد (بغداد)   غرض جہاں بھی ہیں مسلم ہیں موردِ بیداد
جہاں میں کس سے مصیبت کا ماجرا کہئے
گذر رہی ہے جو اے ماہِ عید کیا کہئے

کوئی قصور ہمارا خدا گواہ نہیں   ہیں بیگناہ کچھ اسکے سوا گناہ نہیں
کدھر کو جائیں کہیں بھاگنے کی راہ نہیں   حرم میں بھی تو ہمارے لئے پناہ نہیں
ہمارے دل پہ گھٹا رنج و غم کی چھائی ہے
ہلالِ عید ہمیں کیا جو عید آئی ہے

محروم

دیپ مالا

زہے نصیب کہ آئی ہے دیپ مالا پھر — دیارِ ہند میں ظاہر ہُوا اُجالا پھر
زہے نصیب! کہ آئی وہ شامِ رشکِ سحر — کہ نُورِ صبحِ بنارس نثار ہو جس پر!
ہر ایک گھر میں ہُوا اہتمامِ آرائش — کہ آئی بعد برس دن کے شامِ آرائش
یہ شام وہ ہے کہ کشمیر سے کماری تک — وفورِ نورِ چراغاں سے سرزمیں ہے فلک!
ہیں آج آنکھیں دکھاتے چراغ تاروں کو — دیا فروغِ چراغاں نے داغ تاروں کو
کھِلے ہیں باغ در و بام پر چراغوں کے — چلے ہیں شہر کو دلدادہ تھے جو باغوں کے
زمانہ شوقِ چراغاں میں یُوں ہُوا بیتاب — چراغ بن گئے صحرا میں کرمکِ شب تاب!

مگر ہے میری نظر میں تو آج عالم اور
کہ اس خوشی نے زیادہ کیا مرا غم اور!

نگاہِ دیدۂ ظاہر میں گو چراغ ہیں یہ — چراغ انکو نہ کہنا جگر کے داغ ہیں یہ!
جگر کے داغ ہیں! سوزِ دروں کے شعلے ہیں! — کسی کی آتشِ داغِ جنوں کے شعلے ہیں!
چراغ انکو نہ سمجھو۔ ذرا اگر سمجھو — کسی کی آہِ شرربار کے شرر سمجھو!
شرر بھی ایسے کہ گر ان کو دیکھ پائے برق — تو رخ پہ اپنے نقابِ سحاب لے لے برق
ہوا زمانہ کہ آتش بجاں ہے مادرِ ہند — ہے باوجودِ چراغاں سیاہ اخترِ ہند!

یہ جوشِ سوزِ درونی کی ہے فراوانی
کہ تن سے پھوٹ پڑے داغہائے پنہانی!

ہوں تیغِ یادِ زمانِ کہن کا سینہ فگار — مجھے ہے باعثِ دردِ جگر ہر اک تیوہار
مری نظر میں تماشا ہیں آج وہ ناداں — جو محوِ سیرِ چراغاں ہیں بالبِ خنداں
بجا ہے اشک بہائیں۔ یہ قہقہے کیسے! — خزاں میں بلبلِ گلشن کے چہچہے کیسے!
یہ چاؤ چوچلے افسوس فاقہ مستی میں — یہ مینڈکوں کی اچھل کود چاہِ پستی میں
اسی پہ خوش ہیں کہ دنیا میں زندگی تو ہے — جہاں میں کچھ ہوا نہیں کیا ہے اپنا جی تو ہے

مگر یہ زیست جسے موت سے برا کہیے
جو اس پہ مرتے ہیں۔ کہیے تو انکو کیا کہیے

وہ ہم سے پہلے جو دنیا میں جی گئے کیا تھے — ہماری طرح وہ کب زندگی کے شیدا تھے
وہ رام اور وہ لچھمن وہ مہر و ماہ منیر — ہے آج جن کا چراغوں میں جلوۂ تنویر
ہے مہر و ماہ کو جب تک کہ آسماں پہ قیام — رہیگا دورِ زمانہ میں انکا روشن نام

وہ انکے عہدِ وفا۔ وہ محبّتیں اُن کی! وہ اُنکے صدق و صفا۔ وہ سعادتیں اُنکی!

ہزار حیف کہ وہ راہ چھوڑ بیٹھے ہم
کہ رشتہ اپنے بزرگوں سے توڑ بیٹھے ہم

یادِ سلف

شگفتہ لالہ و گُل اب بھی ہوتے ہیں بہار و نمیں وہی ہے لہلہی دوب اب بھی سبزہ زار و نمیں
وہی اب ہے جو پہلے تھا ترنّم آبشار و نمیں دکھاتی ہے کرشمے اب بھی قدرت کوہسار و نمیں
نظارے ہیں وطن کے دلنشیں جیسے کہ پہلے تھے
مگر افسوس ہم ویسے نہیں جیسے کہ پہلے تھے

نہ وہ دل ہے۔ نہ ہے وہ دیدۂ معنی مگر باقی بزرگوں کی خصائل کا نہیں ہم میں اثر باقی
کمالات اُنکے باقی ہیں نہ وہ علم و ہنر باقی جو یاد انکی ہے وہ سونے کی چڑیا کے ہیں پر باقی
امینِ معرفت کہتے ہیں ابتک جنکے سینوں کو
ستم ہے اے زمیں تو کھا گئی ایسے دفینوں کو

ہولی

ہے رنگ فشاں کوچہ و بازار میں ہولی محفل میں کہیں ہے، کہیں دو چار میں ہولی

ہر غنچے کا منہ سُرخ ہی، ہر برگِ چمن سرخ
کھیلا ہی کوئی آن کے گلزار میں ہولی

کچھ راگ کے جلسے ہیں، تو کچھ رنگ کے جلسے
ہر رنگ میں، ہر راگ میں، ہر تار میں ہولی

محرومؔ کے اشعار نہ ہوں کس لئے رنگیں
الفاظ بھی ہیں کھیلتے اشعار میں ہولی

احباب! مبارک ہوں یہ ہولی کے نظارے
اک بزم میں ہولی نے کیا جمع تو بارے!

اے ہند مبارک ہو تجھے رنگ فشانی
ہولی ہی ترے پاس کنہیا کی نشانی

وہ دَورِ صداقت، وہ محبّت کا زمانہ
اب یاد بھی یاروں میں ہوئی جسکی پرانی

وہ عہدِ مبارک تو نہیں آئے گا واپس
باقی ہی ترے پاس یہی اس کی نشانی

یارانِ وطن گرچہ فلک بر سرِ کیں ہے
پر ہم نے تو اب دل میں یہی بات ہی ٹھانی

لائینگے اسی عہد کو پھر اپنے وطن میں!
پھر رنگ نیا بھرتے ہیں تصویرِ کہن میں!

سری رام چندر مہاراج

موہنی مورت تری دل کے صنمخانے میں ہے
تو ہے دل میں یا چراغِ طور کاشانے میں ہے

جو سرورِ جانفزا بخشا تصوّر نے ترے
وہ نہ ساغر میں، نہ مینا میں، نہ پیمانے میں ہے

رُوح کو ملتے ہیں کیا کیا خوابِ جنت کے مزے
کسقدر تاثیرِ تسکیں تیرے افسانے میں ہے

گنگا جمنا بھی وہی ہیں اور اجودھیا بھی وہی
پھر تامّل اسقدر کیوں جلوہ فرمانے میں ہے

چھب دکھادے پھر ہمیں اے آرزوئے چشم و دِل
دم قدم سے ہو ترے آباد کوئے چشم و دِل!

محبّت کا اوتار

اے رہنمائے راہِ مقصود نام تیرا
غلو تسرائے دِل میں نکلا مقام تیرا
ہر بیخودِ محبت ۔ مستِ مئے حقیقت
کرتا ہی دھیان تیرا ۔ جپتا ہی نام تیرا
ہر دور میں ہزاروں پی پی کے اٹھ گئے ہیں
ابتک چھلک رہا ہی محفل میں جام تیرا
وارفتہ ہیں جو تیرے ۔ دیکھ انکی بیخودی کو
پتھر کی مورتوں سی لیتے ہیں نام تیرا
ادنیٰ سا اک کرشمہ تیرے جلال کا مہر
ہلکا سا اک تبسّم ماہ تمام تیرا
سینوں میں داغِ الفت تیرے دئے ہوئے ہیں
روزِ ازل سے جاری ہی فیضِ عام تیرا
جسپر نگاہ تیری محتاج پھر وہ کس کا
آزاد دو جہاں سے اک اک غلام تیرا
عالم کا ذرّہ ذرّہ کھچتا ہی تیری جانب
الفت کا سلسلہ ہے سارا نظام تیرا
کانوں میں بانسری کی آواز آرہی ہے
گیتا سنا رہی ہے دلکش پیام تیرا
اُس عہدِ اوّلیں کا ہے انتظار مجھ کو
جمنا کے ساحلوں پر جب تھا قیام تیرا

کچھ دردِ دِل سناؤں تو مجھ سے کاش پوچھے
کس نے رکھا ہی کیوں ہی محروم نام تیرا

سالک

درسِ عمل

کامرانی کا سر آغاز ہے انجامِ عمل
صبحِ عشرت جسے کہتے ہیں وہ ہے شامِ عمل

موت کیا چیز ہے بیکاریٔ اعضا و حواس
زندگی کیا ہے یہی کاوشِ انجامِ عمل

سعیٔ پیہم سے خدا کا بھی ہے ملنا آساں
در وہ عرشِ معلّٰے ہے لبِ بامِ عمل

کامراں منزلِ عقبےٰ پہ وہی جا پہنچیں گے
جو رہے وادیٔ دنیا میں سبک گامِ عمل

کوئی گوشِ شنوا ہو تو سُنے یہ آواز
ہر نوا سازِ حوادث کی ہے پیغامِ عمل

وہی طائر ہیں چمن زارِ جہاں میں آزاد
زندگی جنکی گزرتی ہے تہِ دامِ عمل

یوں تو تاریخ ہے لبریز حکایات مگر
حاصلِ زندگیٔ قوم ہیں ایّامِ عمل

فطرۃ اللہ مخالف ہے تن آسانی کی
دین اسلام ہے مجموعۂ احکامِ عمل

جب کیا ترکِ عمل حاملِ قرآں ہو کر
ساری دنیا میں ہوئے خوار مسلماں ہو کر

کیا کبھی غور کیا مُسلمِ دانا تو نے؟
کارنامے کیے آفاق میں کیا کیا تو نے

تھی تپاں جسکی تجلی کیلئے ہستیٔ عشق
ہائے وہ حُسن کیا وقفِ تماشا تو نے

تیرے دیوانوں سے آباد ہوا دشتِ جنوں
گوشہ گیروں کو کیا بادیہ پیما تو نے

اُس زمانے میں کہ تاریکیٔ باطل تھی محیط
کی بپا انجمنِ ملّتِ بیضا تو نے

روزہ رکھ کر جو پڑھیں تیغ کے سائے میں نماز
ایسے زُہّاد کیے دہر میں پیدا تو نے

دن کو تھی تخت پہ اور رات کو سجّادے پر
اہلِ دنیا کو کیا طالبِ عقبےٰ تو نے

آہ وہ دن نہ رہے اور وہ زمانے بھی گئے

ہائے وہ رات بھی گذری وہ فسانے بھی گئے

اب جو چاہے وہی عظمت تو جگر پیدا کر
زور بازو میں ۔ دعاؤں میں اثر پیدا کر

اسی پانی سے ہری کشتِ تمنا ہوگی
ابر نیساں کی طرح دیدۂ تر پیدا کر

تا بکے طوقِ غلامی میں رہیگی گردن
جسمیں سودائے حکومت ہو وہ سر پیدا کر

روئے گا بے پر و بالی پہ قفس میں کبتک
ہو اگر خواہشِ پرواز تو پر پیدا کر

اُٹھ کے جو خرمنِ دشمن پہ گریں برق صفت
خاک میں اپنی وہ جاں سوز شرر پیدا کر

آبرودار ہیں آپسمیں جو رکھتے ہیں ملاپ
سب سے رشتہ صفتِ سلکِ گہر پیدا کر

لے کے خورشید جہاں تاب سے مقراضِ شعاع
دامنِ شب میں گریبانِ سحر پیدا کر

رونقِ محفلِ ایام دو بالا کردے
اس سیہ خانۂ عالم میں اُجالا کردے

نیاز

مسلمانوں سے خطاب

گُل ہے اور تجھے آشفتہ گریبانی سے
ہو کے نکہت تجھے پرہیز پریشانی سے

شعلہ ہو کر یہ حذر سوختہ سامانی سے
جلوہ ہو کر تو جھجکنے لگا عریانی سے

ہو گیا پست تو آواز محمد ہو کر
نور رہتا نہیں واللہ مقید ہو کر

لے کے وہ بار امانت تو سنبھل جاتا تھا
سینۂ کوہ جسے سُن کے مچل جاتا تھا

ایک جلوے کیلئے آگ میں جل جاتا تھا
لَنْ تَرَانِی کی صدا سُن کے مچل جاتا تھا

جستجو کی وہ مگر تیری ادائیں نہ رہیں
ذوق آلودہ وہ پُر درد صدائیں نہ رہیں

سلہ پست ہمتی چھوڑ دے اور سرگرم عمل ہو جا ۱۲

سازِ توحید کا اک نغمۂ بیتاب تھا تو ایک جوہر تھا مگر پھر بھی نہ کمیاب تھا تو
مثلِ نرگس نہ کبھی شیفتۂ خواب تھا تو سرعتِ برق تھا تو ہستیٔ سیماب تھا تو
نورِ توحید بنا قلب کو مسکن اپنا
کیوں بھلا بیٹھا تو دیرینہ نشیمن اپنا

صدا الصحرا

ہمنفس اب تجھ سے میں افسانۂ دل کیا کہوں داستانِ برہمیِ رنگِ محفل کیا کہوں
حالِ قیسِ نارسائے اوجِ محمل کیا کہوں قصۂ اندوہِ یک گم کردہ منزل کیا کہوں
ہاں زباں تک آ نہیں سکتا ہے اب دل کا پیام
سازِ مجروحِ نوا ہے لب ہی مجروحِ کلام
سینکڑوں شکوے ہیں لیکن لب پہ لا سکتا نہیں ہیں ہزاروں قصۂ غم پر سنا سکتا نہیں
زخم لاکھوں ہیں مگر تجھکو دکھا سکتا نہیں دِل کا سیلِ اشک آنکھوں سے بہا سکتا نہیں
ہے ہجومِ صد ہزاراں آرزو اور دِل ضعیف
جوششِ صد بحرِ طوفاں اور مرا ساحل ضعیف
لفظِ مسلم سے کبھی مفہوم تھا یکسر عمل قوتِ عزم و ارادہ اسکی تھی ضرب المثل
نشترِ حق اک فعل تھا مستغنیِ بانگِ دہل جب ہوئیں اسلام میں تحلیل یوں صدہا ملل
بات یہ تھی دیکھ کر عالم جسے حیران تھا

ورنہ یوں تو ابن عبداللہ بھی اک انسان تھا

وہ یتیم بے نوا تعلیم سے بیگانہ تھا
صاحب جاہ سلیمان و ید بیضا نہ تھا

اُسکی آوازِ حزیں داؤد کا نغمہ نہ تھا
کچھ زباں میں اُسکی افسونِ دمِ عیسیٰ نہ تھا

ہات میں اُسکے فقط اک نسخۂ قرآن تھا

دل میں لیکن حوصلہ تھا عزم تھا ایمان تھا

اب اگر ہم پست ہیں تو ہے ہمارا ہی قصور
ہے خطا اپنی اگر اقبال ہے ہم سے نفور

اپنی لغزش تھی اگر ہے ظرفِ ہستی چور چور
زہر اگر کھائینگے ہم، تو ہمکو مرنا ہے ضرور

خود تو ہوں برباد اور شکوہ کریں اللہ سے

ہو خدا بیزار ایسے رمز ناآگاہ سے

اقتضائے حال ہے تیرا اگر ہے سرنگوں،
ثمرۂ کردار ہے گر تیری حالت ہے زبوں

سچ ہے تیری خوابیاں اب ہوگئیں حد سے فزوں
ہے گلہ تجھ کو مگر کس کا ذرا میں بھی سنوں

شکوہ سنجِ سیرِ آہو خاکِ صحرا ہو سو کیوں؟

خس کی بیتابی سے خائف موجِ دریا ہو سو کیوں

وضع اپنی چھوڑ دی اپنی معیشت چھوڑ دی
اپنی ہستی کی ادائے مشرقیت چھوڑ دی

خوئے اُلفت چھوڑ دی رسمِ محبت چھوڑ دی
ہات سے حبلِ متینِ مذہبیت چھوڑ دی

اپنی ہستی تو بگاڑی رُوئے مغرب دیکھ کر

عادتیں لیکن نہ بدلیں خوئے مغرب دیکھ کر

تو وہی ہے جسنے دنیا کو دیا درسِ حیات
تو وہی ہے زندگی جسکی تھی فخرِ کائنات

ہر قدم تیرا تھا گویا اصد حیل عزمِ ثبات
نام تیرا دہر میں تھا باعث امن و نجات

یا چنیں گشتی وجودت مرگ را شرمندہ ساخت
خفتِ ذاتت گیاہ و برگ را شرمندہ ساخت

غم

پھونک ڈوں اپنے کو تو ہو خلق میری روشناس
مہرِ عالم دوست اپنی ہستی سوزاں سے ہے
رقصِ پروانہ، سرودِ خندۂ بزمِ وصال
ایک شمعِ شب نشیں کی دیدۂ گریاں سے ہے
اضطراب زخمہ سے ہی مرتعش تارِ رباب
یعنی کیفِ سازِ ہستی نالہ و افغاں سے ہے
گل گریباں چاک ہی تو خوشنوا بلبل بھی ہے
ہے فشارِ تاک تو مینا بھی ہے قلقل بھی ہے

اُٹھ دلِ راحت طلب پیدا سرِ شوریدہ کر
آپ بھی غمدیدہ ہو اوروں کو بھی غمدیدہ کر
پھونک دے محفل کو اپنی شعلۂ آواز سے
گرمیِ ہنگامہ سے ہر قلب کو تفتیدہ کر
کر کے عُریاں شمعِ ہستی کو دکھا اسکا فروغ
یعنی نذرِ شعلۂ غم جامۂ بوسیدہ کر
اک زمانہ دیکھ لے رفعت تیری شکلِ ہلال
اور بھی اپنے تنِ کاہیدہ کو کاہیدہ کر
کارواں کی چشمِ خوابیدہ کو ہو جا دردِ تو
جب وہ سرگرم تگاپو ہو تو بن جا گردِ تو

ساقیا پھر جلوہ پیرا ہو اسی انداز سے
زندہ کر دے اہلِ محفل کو اسی اعجاز سے
طائرِ سدرہ ہماری خستگی پر کر نظر
زورِ بازو گھٹ گیا پر رہ گئے پرواز سے

جھانک لے پھر پردۂ بردِ بیانی سے ذرا
پھر سکھا طرزِ فغاں چشمِ نوا پرواز سے

وہ حدی خوانی کے نغمے وہ رجز کے ولولے
ہو گئے بیگانہ سب اپنے شکستہ ساز سے

ہمنوا ہوں غیر کا میں بھی بھلا ممکن کہاں
جب کرا ہا تک نہیں جاتا یہاں آواز سے

محو کر دل سے خطا دلدادگانِ حسن کی
روٹھتا ہے یوں بھی کوئی عاشقِ جانباز سے

سر اگر ہم کو دیا ہے سرفروشی بھی سکھا!
مے عنایت کی تو پھر وارفتہ ہوشی بھی سکھا

نیرنگ

پیغامِ عمل

ہم نفس! عہدِ سلف کی یاد خوانی ہو چکی
چھوڑ اس قصے کو۔ رنگین داستانی ہو چکی

گردشِ گردوں کا شکوہ۔ بخت واژوں کا گلہ
داستانِ انقلابِ دار فانی ہو چکی

تا بکے آخر رہیگا شغلِ یادِ رفتگاں
دورِ ماضی کی بہت کچھ نوحہ خوانی ہو چکی

کام کے میداں کی اب کھائیے چل کر ہوا
یعنی سیرِ باغِ الفاظ و معانی ہو چکی

ترجمہ کیجے عمل میں بھی اب اپنے علم کا
نکتہ سنجی ہو چکی معجز بیانی ہو چکی

آشتی کرنی پڑے گی انقلابِ دہر سے
روٹھے رہیئے گا کہاں تک؟ سرگرانی ہو چکی

ہاں خلافِ موج ایں دریا شنا کردن چہ سود[1]
خویشتن را غرقۂ بحرِ فنا کردن چہ سود

---

[1] زمانہ کے خلاف چلنے سے کوئی فائدہ نہیں ۱۲

ماجرائے رفتگاں ہیں گوشِ عبرت کیلئے / آپ اسے سنتے ہیں جوشِ درد و رقت کیلئے

پھولتے ہیں آپ سنکر کارنامے قوم کے / ہم سناتے ہیں یہ قصے جوشِ غیرت کیلئے

سرگذشتِ قوم کو دیکھو نگاہِ غور سے / کیا سبق آموز منظر ہے بصیرت کیلئے

رہبرِ علم و تمدن کیوں بنے صحرا نشیں / کیا صفت زینہ بنی اس بامِ رفعت کیلئے

اُن میں تھا ایثار و استقلال و عزم و اتحاد / وقف کردیتے تھے جانیں قوم و ملت کیلئے

اُنکے آگے سدِ اسکندر بھی اک میدان تھا / کوہ اور صحرا تھے یکساں اُنکی ہمت کیلئے

کیا حبش اور کیا عرب، بس صبغۃ اللّٰہی تھے سب / ہیچ تھے رنگ و نسب چشمِ اخوت کیلئے

دست و بازو صاف کہتے ہیں زبانِ حال سے / محنت انساں کیلئے، انساں محنت کیلئے

آنچہ مرداں کردہ اند امروز کردن میتواں
راہِ نقشِ پائے ایں پاکاں سپردن میتواں

صحنِ بستاں اب بھی ہے فصلِ بہاراں اب بھی ہے / پھول خنداں اب بھی ہے بلبل غزلخواں اب بھی ہے

آج بھی ہے تخم میں خاصیتِ نشو و نمو / کشت زار و آب و باد و مہرِ تاباں اب بھی ہے

یاد رکھو! لیس للانسان الا ما سعیٰ[1] / کل جو نافذ تھا وہی آئینِ یزداں اب بھی ہے

قیس ہی پیدا نہیں ہے ورنہ دشتِ نجد میں / خارِ صحرا اب بھی ہے ریگِ بیاباں اب بھی ہے

کان اب بھی ہے وہی ہیرے نکلتے تھے جہاں / جس سے گل موتی برستے تھے وہ نیساں اب بھی ہے

آج بھی موجود ہے اگلوں کا جو تھا رہنما / وہ حدیثِ ہادیِ بطحا وہ قرآں اب بھی ہے

---

[1] انسان کو صرف اپنی کوشش کا پھل ملتا ہے ۱۲

نورِ لبریزِ تجلّی - دیدۂ موسیٰ[1] کجاست؟
حسنِ عذرا جلوہ پیرا - وامقِ شیدا کجاست؟

صدائے اسلام

دردِ دل ہی حضرتِ انساں کے دُکھ کی ہے دَوا
دلمیں بنکر دردِ دل کی آرزو آیا ہوں مَیں
جس سے مستوں کو چھکایا تھا خلیل اللہ نے
بزم میں لیکر وہی جام و سبُو آیا ہوں مَیں
نا امیدوں کو سُنایا میں نے پیغامِ اُمید
ساتھ لیکر مژدۂ لاتقنطُو آیا ہوں میں
رُوح کو ہوں قبلۂ حق کیلئے قبلہ نما
دِلمیں بنکر رازِ جاں کی جستجو آیا ہوں میں
ظلمتِ کثرت کی چھائی تھی گھٹا چاروں طرف
مہرِ وحدت ہوں چمکنے سُو بہ سُو آیا ہوں میں
عدل سے اُلفت ہی مجھکو مفسدے سے بیر ہے
عدل پھیلانے جہاں میں چار سُو آیا ہوں میں

سُنّتِ باری کی ہے احکام میں میرے جھلک
اصلِ فطرت کے مطابق ہو بہو آیا ہوں میں

سب رسولوں کی زبانوں پر مرا افسانہ تھا
شمعِ بزمِ راز تھا میں - ہر نبی پروانہ تھا
دَورِ آخر میں کیا کامل مجھے اس نُور نے
جسکی شمعِ بزم کا رُوح الامیں پروانہ تھا
جلوہ گر وہ نُور تھا اسکی جبینِ ناز میں
دیدۂ موسیٰ[1] جھلک سے جسکی حیرت خانہ تھا

---

[1] حسن تو ہے مگر طالب کوئی نہیں ۱۲

تاڑنے کو تاڑ ہی جاتے ہیں ارباب نظر
میم کے پردے میں چھپنا نازِ معشوقانہ تھا

سب بنی آدم کو اُسنے ایک کنبہ کر دیا
اُسکے حسنِ خلق سے اپنا ہر اک بیگانہ تھا

بن گیا فیضِ قدم سے اسکے فردوسِ بریں
ورنہ ریگستانِ یثرب کیا تھا؟ اک ویرانہ تھا

اُسکا اک اک فعل انساں کی محبت سے بھرا
اُسکا اک اک قول دلسوزانہ ہمدردانہ تھا

اُسکے ہاتھوں سے بنا اک نخلِ سبز و باروَر
میں خلیل اللہ کا بویا ہوا اک دانہ تھا

پھوٹ کی تلوار نے زخمی کیا جس قوم کو
اُسکا درماں نوشدارُوئے اخوت ہو تو ہو

عزتِ دُنیا کا رستہ۔ حرمتِ عقبیٰ کی راہ
شاہراہِ سنّتِ ختمِ رسالت ہو تو ہو

تجربہ ہی اہلِ غفلت کیلئے اُستاد ہے
خود زمانہ رہبرِ راہِ ہدایت ہو تو ہو

عزت و ذلت کا کیا احساس جب غیرت نہیں
جوشِ غیرت رہنمائے راہِ ہمت ہو تو ہو

حالتِ قوم

دِل بھر آیا قوم کی حالت پریشاں دیکھ کر
رو پڑے ہم اپنی بربادی کا ساماں دیکھ کر

اب کہاں وہ دن؟ کہ جب خیرہ تھی چشمِ آفتاب
شوکتِ اسلامیاں کی ساز و ساماں دیکھ کر

صَولتِ اہلِ عرب کی دُھوم تھی آفاق میں
کانپ جاتی تھی انہیں سام و نریماں دیکھ کر

دفترِ عبرت ہیں یہ لاہور و دہلی کے کھنڈر
سیکھ کچھ اے دل! یہ اوراقِ پریشاں دیکھ کر

آرزو تو گداگداتی ہی ارادے کو مگر — دل سمجھا جاتا ہی حالِ شوقِ یاراں دیکھ کر
بے ترود پا کے کشتِ آرزوئے قوم کو — رو پڑے ہم جانبِ ابرِ بہاراں دیکھ کر
کاش ہو ایسی یکایک قوم کی حالت درست — جیسے جاگ اُٹھے کوئی خوابِ پریشاں دیکھ کر
قوم کا غم جاں گزا ہے جسقدر روئیں سو کم
ہاں مگر اپنی بساط اے چشمِ گریاں دیکھ کر

ز-خ-ش

آزادیِ نسواں اور اسلام

دِل کو ارماں۔ کہ زنِ ہند کا کچھ حال لکھوں — طبع حیراں۔ کہ میں الفاظ کہاں سے لاؤں
میں پریشاں۔ کہ پریشاں نہ کرے بخت زبوں — ہاں کہی بات پرائی ہی۔ کہوں یا نہ کہوں
آگیا لب پہ مگر ذوقِ تکلم سے سخن
منہ پر آئی بھی کہیں رُکتی ہی؟ ای مشفقِ مَن
ہم کو کیا علم۔ کہ کیا شے ہی مزا دُنیا کا — نہ یہ معلوم۔ خوشی نام ہی کس چڑیا کا
آہ بے جرم ہمیں صنفِ قوی نے تاکا — تختۂ مشق بنایا ستمِ بیجا کا
آج النساں کی فضائل سے ہیں دونوں محروم

ایک تفسیر جہولؔ۔ ایک ہی تفسیر ظلوم[1]

اک زن شرق ہی بیداد کش قید فرنگ
پائے بندی ہی ہر اک شخص کو سرمایۂ ننگ
ہم میں اور عیش میں ہی فاصلۂ صد فرسنگ
رہتے ہیں وسعت دُنیا میں سدا جان سی تنگ
زندگی ہی کہ مصیبت کا اک افسانہ ہے
دلِ محزوں ہی کہ حسرت کا سیہ خانہ ہے

مہر گرما کی طرح۔ برفِ زمستاں کی طرح
بار ہیں دہر پہ ناخواستہ مہماں کی طرح
دائم الحبس ہیں ہم قاتلِ انساں کیطرح
وحشی و جاہل و بیعلم ہیں حیواں کی طرح
بے حس و بے حرکت۔ بے بس و سرافگندہ
بچہ در دستِ جواں۔ مُردہ بدستِ زندہ

رخصتِ سیرِ چراگاہ ہے جب حیواں کو
اس سے تشبیہ نہ دو بے بسی نسواں کو
یاد کر سکتی ہی رو رو کے گلِ خنداں کو
ہے قفس میں بھی یہ سکھ بلبلِ خوش الحاں کو
نہ تڑپنے کی اجازت ہی نہ فریاد کی ہے
گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی میرے صیّاد کی ہی

پھونک ڈالا تپِ دق بن کی غموں نے اکثر
آتشِ ظلم سے دُنیا ہوئی دوزخ ہم پر
ہیں جو تنگی میں منافق کی لحد سے بد تر
بے اجل مرتے ہیں تہ خانہ کے اندر گھٹ کر
ڈاکٹر کہتے ہیں " در کھولو۔ ہَوا آنے دو "
سنگدل کہتے ہیں " ہرگز نہیں۔ مر جانے دو "

---

[1] انّہٗ کانَ ظَلُوماً جَھُولا۔ درحقیقت انسان بڑا ہی ظالم بڑا ہی نادان ہے (الآیۃ) مؤ

حرفِ "عزت" سے نہیں کان ہمارے آگاہ
سرنوشت رُخِ نسواں میں ہے ذلت کی نگاہ
کہتے ہیں "اپنے تفوق کا ہی قرآن گواہ
مصحفِ رب پہ یہ بہتان ۔ عیاذاً باللہ

کون یہ کہ کے بنے کشتنی و قابلِ دار
ترجمہ کیجے نہ قوامؔ کا ۔ آقا ۔ سرکار

اور اگر چون و چرا کا کوئی کر بیٹھے گناہ
ترشا ترشایا جواب اسکو یہ موجود ہے آہ
فتنہ پرداز ۔ ریاکار ۔ فریبی ۔ گمراہ
آپ بھی طالبِ عزت ہوئیں سبحان اللہ

ہوگیا آہ اسی بے ادبی سے رُسوا
فرقہ فاطمہ رضہ و عائشہ رضہ صدیقہ

خود بھلے بنتے ہیں اوروں کو بُرا کہتے ہیں
"ناقص العقل" ہمیں سب عقلا کہتے ہیں
پُردغا کہتے ہیں "بے مہرو وفا" کہتے ہیں
کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں

کوتوالوں سے لڑیں چور ستم ہے کہ نہیں
یہ تماشا سببِ غصہ و غم ہے کہ نہیں

اور لو ۔ کہتے ہیں ۔ "ہم سے ہو سوا چین میں تم
کہ پڑی اینڈتی ہو پہنے حریر و قاقم
فکرِ اسبابِ معیشت میں یہاں ہوش ہیں گم
وقف گردش ہیں سدا صورتِ پیمانہ و خم

زن پہ شوہر ہے شررِ بار ستم ۔ ہائے ستم
اس صفائی سے بھر انکارِ ستم ۔ ہائے ستم

جسمِ اسلام کو افگار کیا ۔ ظلم کیا
نصفِ محمود کو بیکار کیا ۔ ظلم کیا

ؔ الرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (الآیہ)

بے زباں صورتِ دیوار کیا۔ ظلم کیا
متہم پھر سرِ بازار کیا۔ ظلم کیا
کرکے بدنام دیا رنج و تاسف ہم کو
پابزنجیر کیا صورتِ یوسف ہم کو

انکو رہ رہ کے ستاتا ہی یہ بے اصل خیال
گھر میں پڑھ لکھ کے خواتین کا رُکنا ہی محال
کہیں اُٹھے نہ مساوات کا غم خیز سوال
کہیں ہوجائے نہ مردوں کی حکومت کا زوال
ہائے اِن خودغرضوں کو نہیں اتنی بھی خبر
زوجۂ جاہلہ ہے آفتِ جانِ شوہر

آیئے جاہلہ کا آپ کو دکھلاؤں گھر
پھر گیا بوئے غلاظت سی قدم رکھتے ہی سر
ظلمتِ دود ہے قوت گسل چشم و نظر
گرد جاروب ہے سینہ میں نہیں دم کا گزر
کیا نہیں دشمنِ جاں نالی کا گندہ پانی
ایں سخن را چہ جواب است؟[1] تو ہم میدانی

مرغیاں جاکے منڈیروں پہ لڑیں چوں چوں چیں
آسمانچا یئے کا سٹ سے نیچے اڑا اڑا دھوں ں
ظرف ناشستہ مثال سرِ عاصی ہیں نگوں
زاغ و سگ کیلئے پس خوردۂ طعمِ موزوں
مل کے دونوں نے عجب شور مچا رکھا ہے
مدح بیگم سے مکاں سر پہ اُٹھا رکھا ہے

کہیں چونے سی ہی اسطرح منقش دیوار
نقشِ دیوار ہو گر دیکھ لے مانی اک بار
جھاڑ فانوس کی تزئین سی ہو دلیلِ غبار
اک نظر دیکھو گر مکڑی کے جالوں کی بہار

---

[1] اِس بات کا کیا جواب ہے تو خوب جانتا ہے ۱۲

نہیں محدود بشر تک کرم شاہ نشیں
بھڑ کا چھتا ہی کہیں ۔ گھونسلا چڑیا کا کہیں

چارپائی پہ ۔ اسی کمرہ کی دائیں جانب — پاندان کھولے ہوئے بیٹھی ہیں بیگم صاحب
پاس ہی فرش پہ ماما ہی نظر کی طالب — جیسے ملبوس کی بدبو ہی خرد کی سالب
بڑبڑاتی ہی کبھی یہ ۔ کبھی وہ چیختی ہیں
دیکھنا حاکم و محکوم کی تو تو میں میں

سامنے کمرہ ہی اک مختصر و تیرہ و تار — تازہ و صاف ہوا جسمیں نہیں پاتی بار
آنکھ ہو جاتی ہی جب خستۂ سعی بسیار — تب کہیں جاکے نظر آتی ہی شکل بیمار
ایک دوشیزۂ کم سن ہی سہری پہ دراز
واہ رے حسن ! مرض میں بھی ہی تو دیدہ نواز

تن پہ پوشاک نہیں میل بھری صافی[1] ہے — جسکی رنگت سے خجل عقل کی کشافی ہے
پھر غضب یہ کہ حفاظت کو بھی ناکافی ہی — کہتی ہوں اوپرے دل سے کہ خدا شافی ہے
حاذق الملک بہادر تو ہیں پُرسانِ مزاج
علاّ حضرت شمس العلما کا ہے علاج

آہ اے بیخبر لذّتِ جانِ شیریں — تیری دشمن ہی تیری مادرِ زار و غمگیں
پانزن[2] کہتے ہیں کسکو ؟ اُسے معلوم نہیں — کان کی ہی جو دوا تجھکو پلادے نہ کہیں
اُف دواؤں کی یہ آلودگی گرد و غبار

---

[1] دیگچی وغیرہ پونچھنے صاف کرنے کا کپڑا جسے "جھاڑن" بھی کہتے ہیں ۱۲ [2] زہر ۱۲

ڈر ہے کر دے نہ تجھے اور زیادہ بیمار

محنتِ شاقہ سے اب تھک کے میاں آیا گھر — نالۂ طفل سے پایا ہے بپا اک محشر
دھپ جماتے ہوئے ماں پوچھتی ہے چلّا کر — نامراد! اب تو نہ جائیگا کبھی کوٹھے پر

جھٹ پٹا وقت ہے ظالم! کھلے میداں میں جا
ہو گیا یوں ہی تو پریوں کا بہن پر سایا

روکے بولا پسر "اماں! کوئی دیوانہ ہوں — اب اگر جاؤں تو اتنا ہی بڑا مر جاؤں"
ماں کے پنجہ سے رہا ہو کے دیا کوسا یوں — "بڑی آپا کیطرح تو بھی لگی تھوکنے خوں"

دیکھنا جنگ کا نظارہ۔ اِدھر ہیں مادر
لختِ دل سلمہ اللہ تعالےٰ ہیں ادھر

یہ وہی راحت و آرام ہے اے اہلِ شعور — جسکی دھن میں زن جاہل ہوئی تجھکو منظور
گھر کی بی بی کا ہو جب دیدۂ باطن بے نور — اسکو کیا علم کہ تیرے لئے راحت ہے ضرور

کیسے ممکن ہے سمجھ میں نہیں آتا واللہ
زوجۂ جاہلہ و شوہر عالم کا نباہ

ماتم ترکی و ایراں سے وہاں جامہ دری — یاں پھٹے چیتھڑے اور مشغلۂ بخیہ گری
شیر سے معرکہ آرا ہے وہاں مرد جری — دیکھ کر غوک کو یاں "ہائے مری ہائے مری"

شوق طیارہ میں اُڑنے کا شب و روز وہاں
ریل کے نام سے اُٹھتا ہے یہاں دل میں دھواں

تیری اہلیہ جو بے علم ہے مرد معقول — پسر خادم ملّت کی توقع ہے فضول
ماں کی آغوش ہے بچہ کا وہ پہلا اسکول — جسکے اسباق کی تا مرگ نہیں ممکن بھول

دور ہوتا اثر جہل گر اس مکتب سے
ہم نہ رہتے صف اقوام میں پیچھے سب سے

زندگانی ہے جن اقوام پہ سو جاں سے نثار
جنکی ہے حریت اک بندۂ فرمانبردار

مڑ گئی جنکی طرف توسن عزت کی مہار
پھر گئی جنکی طرف چشم رضائے غفار

پیچھے قابض ہوئیں زینت کدۂ دنیا پر
پہلے پہنایا خواتین کو علمی زیور

کرۂ ارض کا وہ خطۂ محکوم و غلام
دونوں ہاتھوں سے ترقی نے کیا جسکو سلام

جسکو کہتے تھے کبھی "منزل وحی و الہام"
گونجتا تھا کبھی توحید کا جس میں پیغام

جسپہ اب قہر خداوند ہے رحمت کی جگہ
جسکو اب لوگ کہا کرتے ہیں "عبرت کی جگہ"

صنف نازک کے ستانے سے ہوئی اسکی یہ گت
کہ نہ عزت ہے، نہ دولت ہے، نہ علم و حکمت

عمل زشت کا گردن میں ہے طوق لعنت
پاؤں ہیں بستۂ تار رسن عبدیت

یوں تو مشرق کی ہر اک قوم ہے ادبار میں فرد
حال مسلم ہے مگر سب سے زیادہ پُر درد

اب وہ محکوم ہے تھا خیر اُمم[1] جسکا لقب
امر بالعرف نہ وہ نہی عن المنکر اب

---

[1] کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
تم وہ بہترین اُمت ہو جو (لوگوں کی رہنمائی) کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم نیک کام کا حکم دیتے ہو۔ اور بُرے کام سے منع کرتے ہو (الآیۃ)۔

مجھ سے پوچھے جو کوئی اسکی غلامی کا سبب　　"سلب آزادیٔ عورات" کہونگی بہ ادب
چین تجھکو نہ ملا ۔ میرے ستانیوالے
تو بھی ٹھنڈا نہ رہا ۔ جی کے جلانیوالے

اب بھی دے قدرت ایثار جو رب قدرت سے　　اب بھی گر شومیٔ قسمت ہو جدا قسمت سے
یعنی ہوں مرد کنارہ کش انانیت سے　　یعنی عورات ہم آغوش ہوں حریت سے
قوم کی سمت رخ شاہد عزت مڑ جائے
صورت ہوش رخ غیر سے رنگت اڑ جائے

مرد و زن مل کے اٹھا سکتے ہیں وہ ثقل بار　　کانپ اٹھے جس سے دل ارض و سپہر دوار
مرد و زن مل کے لگا سکتے ہیں وہ کشتی پار　　جو خلیج متلاطم میں پڑی ہے بیکار
آؤ وحدت کی امانت کو اٹھالیں مل کر
آؤ ۔ اسلام کی کشتی کو بچا لیں مل کر

کچھ ضعیفوں کے ستانے میں خطر ہے کہ نہیں　　ظلم پر وعدۂ تعذیب سقر ہے کہ نہیں
تجھ کو کچھ قہر خداوند کا ڈر ہے کہ نہیں　　سر پہ ہر ساعت انصاف خبر ہے کہ نہیں
بے گناہوں پہ کچھ اچھی نہیں ہوتی بیداد
حق نہ بخشیگا ۔ نہ بخشیگا کبھی حق عباد

شوق نظارگیٔ تھیٹر و بازار نہیں　　مقصد حریت و علم یہ زنہار نہیں
حکم برداریٔ شوہر سے بھی انکار نہیں　　بخدا پردہ دری کے بھی روادار نہیں
ہے حیا بادشہ علم کے سر کا افسر
قول مشہور ہے "العلم حجاب الاکبر"

ستر راہِ ستم فتنہ گراں ہے پردہ خازن معتمد گنج نہاں ہے پردہ
مظہر شانِ خداوند جہاں ہے پردہ جذبۂ غیرتِ مسلم کا نشاں ہے پردہ
اثر عصر سے محفوظ ہو پردے کا وجود
دُور ہوں اس سے جو ناقابل برداشت قیود

مرد کا رُتبہ گھٹانا نہیں ہرگز منظور زن کو بے شبہ رضاجوئی شوہر ہے ضرور
لیکن اسکو تو فراموش نہ فرمائیں حضور بطن عورت سے ہُوا نور محمدؐ کا ظہور
یہ تنفر۔ یہ حقارت کی نگاہیں کب تک
عرش جنباں ہوں خواتین کی آہیں کبتک

کچھ سُنانے کیلئے آئی ہوں اسدم سن لے کوئی سُنتا نہیں۔ تو ہی سخنِ غم سن لے
میرے آقا میرے پیغمبر اعظم اُسن لے بابی انت وامی۔ شہِ عالم اُسن لے
نکتہ چیں ہیں غم دِل ان کو سُنائے نہ بنے
کیا بنے بات۔ جہاں بات بنائے نہ بنے

بے خطر نیت خائن سے خزینہ تیرا وحی والہام کا خلوت کدہ سینہ تیرا
لطمۂ موج سے لاعلم سفینہ تیرا جزر و مد کا نگراں دیدۂ بینا تیرا
مایۂ راحت مخلوق ہے رافت تیری
باعث رحمتِ خلاق ہے بعثت تیری

تیری تعلیم پہ اُمت نہیں کرتی ہی عمل اے سند یافتۂ مکتب اُستاد ازل

سلہ میرے ماں باپ تجھ پہ قربان ۱۲

مژدہ زیست جو حریت عورات تھی کل — آج اللہ غنی۔ ہے وہی پیغام اجل

مروکب حکم شریعت کو بھلا مانتے ہیں
ذرا آزادی نسواں سے بُرا مانتے ہیں

پردۂ شرع سے در پردہ ہیں ناراض شدید — جانتے ہیں اسے قفل در نکبت کی کلید

کرتے ہیں دین میں ترمیم یہ دنیا کے مرید — تیرے قانون کو ہے شکوۂ وفعات جدید

یاد ہے ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ اے شاہ! کسے
عَاشِرُوْھُنَّ کے ارشاد کی پرواہ کسے

پردۂ شرع پر گر غور ہو ٹھنڈے دل سے — پردۂ رسم کا شمہ بھی ملے مشکل سے

تھا شغف گرچہ تجھے حریت کامل سے — مگر اغیار ہیں اس امر میں کچھ جاہل سے

کیا کہوں کس نے تیری شرع کو بدنام کیا
ہائے افسوس تیری قوم نے یہ کام کیا

شمع حریت عورات کو خاموش کیا — پھر اس اندھیر کی بتلائی شریعت پہ بنا

الغرض قوم سیہ بخت نے اے نجم ہدا — دین انور کو کیا خود غرضی سے رسوا

فکر آسائش ذاتی میں ہے امت تیری
ہدف طعنۂ اعداء ہے شریعت تیری

---

۵۱ ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ۔ تم ان کا لباس ہو اور وہ تمہارا لباس ہیں۔ (الآیہ) ۱۲

وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ ان کے ساتھ خیر و خوبی سے گزران کرو (الآیہ) ۱۲

کب تک آزاد کش قید ہوں سکانِ حرم　　　المدد۔ المدد۔ اے بیخ کن رسم ستم
کنج در بند میں گھٹ گھٹ کے مرے جاتے ہیں ہم　　　تیری بخشی ہوئی حریت کامل کی قسم

اتنی رخصت بھی نہیں دل میں ہو جب سوز و گداز
جا کے مسجد میں گھسیں ناصیۂ عجز و نیاز

جب فزوں حد سے تری قوم کی بیداد ہوئی　　　یاس آ کر دلِ مغموم میں آباد ہوئی
دفعتہ بارگہِ پاک مجھے یاد ہوئی　　　واہ کیا شاد مری خاطرِ ناشاد ہوئی

خوبیٔ بخت سے پہنچی درِ دولت پہ کنیز
یہ جبیں ورنہ کہاں۔ اور کہاں یہ دہلیز

یا نبی! اپنے لب بستہ کو جنباں کر دے　　　قُمْ بِاِذْنِی سے تنِ عدل کو ذیجاں کر دے
مرد کو زن کے ستانے پہ پشیماں کر دے　　　یعنی پھر باغچۂ قوم کو خنداں کر دے

پھیل جائے چمنِ دہر میں بوئے اسلام
غنچہ ساں سر بگریباں ہو عدوئے اسلام

پیکِ خیال

عروسِ زندگی خوابیدہ تھی۔ عالم شبستاں تھا　　　تعجب ہے مرا اسپِ تخیل پر کہ پویاں تھا

۱؎ میرے حکم سے اٹھ کھڑا ہو ۱۲

گیا لیکر مجھے حیرت گہِ بزمِ ملائک میں ۔۔۔ صبا تھا برق تھا کیا تھا ابھی یاں تھا ابھی واں تھا

تعالی اللہ کیا دلکش تھا بزمِ پاک کا منظر ۔۔۔ نرالی زیب و زینت تھی۔ انوکھا ساز و ساماں تھا

نہ تھا موجود وہ ذرہ جسے "خورشید" کہتے ہیں ۔۔۔ مگر انوارِ عرفاں سے جدھر دیکھو چراغاں تھا

شمیمِ طہر سے ہر گوشہ تھا عطار کی دُکاں ۔۔۔ بہارِ قدس سے ہر کُنج کُنج باغِ رضواں تھا

درود و حمد کے بعد انجمن میں جسکا ذکر آیا ۔۔۔ وُہ مقصودِ بنائے عرش و کرسی تھا۔ وہ انساں تھا

خدا جانے بشر کے نام میں کیا سحر تھا مضمر ۔۔۔ جو رُخ پہلے شگفتہ تھے اب ان سے غم نمایاں تھا

تحیّر نے دِلائی مجھ کو استفسار کی جُرأت
لبِ اظہار آخر ترجمانِ قلبِ حیراں تھا

جبریل نے جواب دیا

خدا تک آہِ مظلوماں کو ہم پہنچانے والے ہیں ۔۔۔ بشر ہے۔ ذی خرد ہے۔ غور کر یہ کام کیسا ہے

ہمارا قلب ہلتا ہے فغانِ غم کشاں سُن کر ۔۔۔ ہمارا قلب کیا شے ہے خدا کا عرش ہلتا ہے

ٹریپولی ہراکو۔ پرشیا۔ مقدونیہ۔ کا غم ۔۔۔ قسم عرشِ معظم کی۔ نہ بھولے گا۔ نہ بھولا ہے

نتیجہ جنگِ عالمگیر کی پُرہول صورت میں ۔۔۔ ابھی حق نے دکھایا ہے۔ ابھی دُنیا نے دیکھا ہے

دریغ۔ افسوس۔ ہیہات۔ آہ۔ پھر انساں ہوا غافل ۔۔۔ وہی نالوں کا ہنگامہ۔ وہی چیخوں کا غوغا ہے

وہ دیکھو۔ اُف وہ دیکھو۔ اک ملک روتا ہوا آیا ۔۔۔ بندھی ہے اسکی ہچکی۔ یا الٰہی کیا تماشا ہے

تڑپ اُٹھی۔ پھڑک اُٹھی۔ بصد وحشت پکار اُٹھی ۔۔۔ خدارا جلد بتلانا۔ مجھے یہ ماجرا کیا ہے

فرشتہ نے کہا بعدِ سلام "اے ملہمِ طاہر"
یہ لیجے۔ زوج اک خاتونِ باعصمت کی ہے حاضر

پکاری روحؔ اے پیکِ جنابِ حضرتِ باری — سُناتی ہوں تجھے اک دُکھ بھرا افسانہ دکھیاری
سمرنا میں مرے جشنِ ولادت سے شہادت تک — کوئی اکیس (۲۱) سن بدلے گئے ہونگے بدشواری
زمانِ عیش و عشرت میں مجھے محسوس ہوتا تھا — کہ کرتا ہے زمیں کا ذرّہ ذرّہ ناز برداری
وہ گل تھی جو ہو خنداں جلوۂ صبحِ بہاراں میں — وہ شہزادی تھی سکہ جسکی خوش بختی کا ہو جاری
شہیدِ تیغِ اُلفت یعنی میرا باوفا شوہر — سپاہِ حفظِ استنبول کی کرتا تھا سرداری
یکایک گلشنِ شاداب پر گلچیں ہوا قابض — بس اب ازمیر تھا اور اہلِ یُوناں کی ستمگاری
دیا پیغامِ شادی مجھکو اک خونخوار افسر نے — ہوا آپے سے باہر سُن کے تصریحاتِ انکاری
رسن سے باندھ کر میرے بہن بھائی. باپ بھائی کو — دکھائی اک معزّز خانداں کی ذلت و خواری
رہا پاکر انہیں شوہر بنالوگی مجھے اپنا؟ — نہیں ہرگز نہیں ان سب سے عزت ہے مجھے پیاری
تنِ نازک کو شعلوں سے بچاہاں کہہ کہ اے ناداں — نہیں ہرگز نہیں اے ظالم! اے مردود! اے ناری
منگالو اپنا بچہ چرچ سے بنکر مری بیوی — نہیں ہرگز نہیں کہہ کر گری اور غش ہوا طاری
شہادت پاکے آخر مجلسِ آلام سے چھوٹی — کروڑوں بھائیوں کی خواہرِ اُزم سلمہ بیچاری

ہوئی درگاہِ رب میں پیش یہ رُوحِ مطہر جب
فرشتوں سے سُنائیں نے کہ تھا جنبش میں عرشِ رب

لذّتِ عرفان

رنگِ فطرت ہے وجہِ حیرانی — عقل ہے وقفِ شرمِ نادانی

گلِ ظرفِ قفس نہیں گلِ باغ — پھولے اس پر نہ مُرغِ بُستانی
حُسنِ باقی نے دِلکو کھینچ لیا — رُخصت اے حُسنِ ہستیٔ فانی
طبعِ زر کیا ہے عافیت سوزی — مسکنت کیا ہے سلطنت رانی
راز داں مُدعا کو کہتے ہیں — حُسنِ اُلفت کا داغ پیشانی
دِل ہے وقفِ رجائے رحم و کرم — جاں ہے نذرِ رضائے رحمانی
برقِ نظارہ ہے فروغِ حیات — بارِ دِل کیوں نہ ہو گراں جانی
یوسفِ رُوحِ مصرِ قدس میں جا — تن کو چھوڑ اے عزیزِ زندانی
دِلِ صد پارہ کے الم گِن لوں — دیکھی جائے گی سبحہ گردانی
کر سکے طے نہ مُلکِ عرفاں کو — رُومی[1] و مغربی و کریانی
کُنہِ رب سے علوم ہیں لاعلم — عربی سیکھ خواہ عبرانی
عرش کے کنگرے پہ طائرِ قدس — رات کرتا تھا یُوں خوش الحانی
کہ ہے اِنساں طلسمِ شانِ خدا — قدر اپنی نہ اس نے پہچانی
بند کیں اُسنے جب ذرا آنکھیں — کھُل گیا رازِ بزمِ امکانی
حُسنِ احمد ہوا ظہور پذیر — تھی یہ کس نور کی خود افشانی

دشتِ وحدت ہی دشتِ وحدت ہے
دیکھ آہستہ کر فرس رانی

---

[1] تین مشہور صوفی شعراء ۱۲

زمزمۂ حیات

مایہ دارِ خرد و فہم ہیں جتنی قومیں — ہیں نہیں شوقِ خریداریِ کالائے حیات
اُنکی پُر فیضِ حیات انجمن آرائے جہاں — اور اُنہیں عزّت و دولت طربِ افزائے حیات
زیست سی گر متنفر ہی تو بس اک مُسلم — ہاں! وہی تھا جو کبھی عاشق و شیدائے حیات
آہ اے جُرعہ کشِ ساغرِ زہرابِ فنا — آہ اے بیخبر لذتِ صہبائے حیات
طفلِ مکتب تھے ترے رمز شناسِ فطرت — کھیل تھا تیرے لئے حلِ معمّائے حیات
اب ہے کیوں پیکرِ بیجاں کی ادا پر مفتوں — آخر اب کیوں نہیں ظالم تجھے پروائے حیات
انتظار اسکے لئے موت سے بڑھکر ہی ترا — آہ مجنوں تری مشتاق ہی لیلائے حیات
ذرہ سی مہر تلک ہے متحرک ہر چیز — شرم اے مُدعیِ رتبۂ والائے حیات
کون کہتا ہی کہ ہو اُٹھ کے خراماں یکدم — کچھ تو لیکن حرکت کر بہ تقاضائے حیات
خارِ اُفتادہ نہ ہو پڑھ گلِ خودرو کا ورق — دیکھ اندھا نہ بن اے بادیہ پیمائے حیات
سچ کہا ہی کہ برابر ہے مرا اور سوتا — بیحیائی ہی جو غافل کو ہو دعوائے حیات

جا سوئے کوئے خموشاں کہ نہیں قابلِ خواب
یہ تماشا کدۂ شورش و غوغائے حیات

نظیر

ظہورِ اسلام

سرائے دہر میں گردوں سے پیغامِ رحیل آیا
مسیحا دم ہوا پیدا دل و جانِ خلیل آیا

ریاضِ دہر پر چھایا سحابِ رحمتِ باری
خوشا قسمت گنہگارانِ اُمت کا کفیل آیا

ضیائے حُسن سے روشن ہوا کاشانۂ ہستی
مُنیرِ بےنظیر آیا جمیلِ بے عدیل آیا

یعوق و لات و عزیٰ کو نکالا خانۂ دل سے
زبانِ خلق پر ذکرِ خداوندِ جلیل آیا

ابابیلوں نے نوچے بال و پر شہباز و شاہیں کے
جہاں کو یاد پھر افسانۂ اصحابِ فیل آیا

چمن میں مے پرستوں نے سُنے فردوس کے نغمے
لبِ جوئے رواں لطفِ کنارِ سلسبیل آیا

ہوئے فرعون آسا غرق دشمن آبِ خنجر میں
نظر اہلِ جہاں کو منظرِ دریائے نیل آیا

ہوئی طاغوتیوں پر حملہ آور فوجِ یزدانی
نویدِ فتح لیکر آسماں سے جبرئیل آیا

نبوّت کی گھٹا چھائی فرازِ کوہِ فاراں پر
عیاں ہونے لگا رازِ الٰہی چشمِ انساں پر

چلی بادِ بہاری گلستانِ زندگانی میں
ہوئے سرگرم مرغانِ خوش الحان نغمہ خوانی میں

علَم توحید کا لہرا رہا ہے کاخِ قیصر پر
ھُوَ اللّٰہُ اَحَد کی ہے صدا قصرِ کیانی میں

جھکا ہے ہرمزاں کا سر حرم کے آستانے پر
ہزاروں چاک پیدا ہیں درفشِ کاویانی میں

بیا ساقی[1] زگردوں رحمت پروردگار آمد
بفضل حق دریں باغِ کہن دَورِ بہار آمد

مٹی تیغ ہلالی سے غلامی کی جہانداری — ہوئی حق کی عملداری گیا دَورِ ستمگاری
یہی اسلام کی جاں ہے یہی فطرت کا حاصل ہے — اخوت حق پرستی پاک بینی شرم خودداری
نویدِ اَنتُمُ الاَعلَونَ[2] جبریلِ امیں لائے — فقیرِ رہ نشیں کو مِل گئی دُنیا کی سرداری
کیا محشر کا ساماں ضربِ اِلّا اللہ سے پیدا — رہینِ خوابِ غفلت کو دیا پیغام بیداری
یہ وہ ابرِ جلاوت ہے۔ یہ وہ بحرِ شجاعت ہے — کہ پنہاں جسکے ہر قطرے میں ہے طوفانِ تاتاری

سرِ شوقے خمیدو آسمانِ عشق پیدا شد
زیک مُشتِ غبارے صد جہانِ عشق پیدا شد

تجلّی خاک کے ذرّوں میں ہے گردوں کے تاروں کی — فرازِ آسماں تک ہے تگ و دو خاکساروں کی
رہیگا تا ابد رنگیں قبا گلزار ہستی میں — کہ مُسلم کے عناصر میں ہے مٹی لالہ زاروں کی
شہادتگاہ میں شبیر سا سر کٹا دینا — یہی عادت یہی خو ہے ازل سے جاں نثاروں کی
کریگی فیصلہ شمشیر تیری حق و باطل کا — تیری محفل کی جانب ہیں نگاہیں بیقراروں کی

ترے بازو میں پنہاں پنجۂ زورِ غضنفر ہے
ترے قبضے میں شمشیرِ عمرؓ ہے تیغِ حیدرؓ ہے

قیامت خیز ہے نالہ دِلِ شوریدہ ساماں کا — تڑپتا ہے جگر سینے میں ہر شیرِ نیستاں کا

---

[1] دُنیا میں مُدّت کے بعد بہار آئی ہے ساقی جنوا کی محبّت کی شراب لا ۱۲
[2] تم غالب رہوگے ۱۲

نگاہوں سے جو پنہاں ہو اُسی کی جستجو کرنا — یہی مقصد ہو مذہب کا یہی مطلب ہے ایماں کا

کلام اللہ کے نغمے نہاں ہیں بربطِ دل میں — امینِ رازِ موجودات ہی سینہ مسلماں کا

تری تخلیق ہی وجہِ قیامِ آفرینش ہے — تری ہستی سے ہی پردہ ہو عُریانیِ انساں کا

کسی کے جلوۂ جاں سوز کی یہ برق پاشی ہے — کہ آتش در جگر ہر لالہ ہے تیرے گلستاں کا

پیامِ ایزدِ باری سُنا دے اُسکے بندوں کو
تماشائے مسیحائی دکھا دے دردمندوں کو

خطاب بہ مکہ

اے زمینِ مکہ اے گہوارۂ دُنیا و دیں
تیری ہر تعمیر کو تاریخ عالم یاد ہے
تیرا افسانہ ہی اقوامِ کہن کی داستاں
دہر میں انسانیت تیری نمک پروردہ ہے
خار و خس سی پاک تو نے آبِ حیواں کو کیا
جاگ اُٹھی فطرتِ انساں تری آواز سے
تیری وادی انبیاؑ کی جلوہ گاہِ ناز ہے

اے کہ ہے آفاق میں تیرا لقب نافِ زمیں
تیرے ہر ذرّہ میں پنہاں اک جہاں آباد ہے
ہر سخن تیرا ہے پیغامِ حیاتِ جاوداں
پیکرِ انساں کی عریانی کا تو اک پردہ ہے
زندگی سے آشنا آبائے انساں کو کیا
ہو گئی دنیائے دِل زندہ ترے اعجاز سے
طالب و مطلوب کا تو آشنائے راز ہے

معدنِ پُر زر ہے تو دریائے پُر گوہر ہے تو
مختصر یہ ہے کہ دُنیا میں خدا کا گھر ہے تو

ابوالانبیا حضرت ابراہیم علیہ السّلام

کھا گئی بابل کے ایوانِ حکومت کو زمیں
دولتِ یونان و ایراں بے نشاں سی ہو گئی
رو رہا ہے ایک جہاں غرناطہ و بغداد کو

بن گئے تصویرِ عبرت مصر کے تاج و نگیں
رُوم کی آفاق گیری داستاں سی ہو گئی
ہیں ڈالا دور گردوں نے جہاں آباد کو

خاک کی آغوش میں ہیں لاکھ اقوامِ جہاں — خونِ صد امصار سے لبریز ہے جامِ جہاں
نامِ ابراہیمؑ لیکن زندۂ جاوید ہے — کوئی گر سمجھے تو اس میں زندگی کا بھید ہے

گردشِ ایام سے سازِ ازل آزاد ہے
ہر زماں اس نغمۂ خاموش سے آباد ہے

عورت سے خطاب

وہ دن بھی تھے کہ تجھ پہ مسرت حرام تھی — تو شہر یار ہو کے کنیز و غلام تھی
ٹکرائی تیری آہ درِ کارساز سے — اُٹھا سحابِ لطف فضائے حجاز سے
جس نے برس برس کے سمندر بہا دیئے — آفاق کے غلام جم و کے بنا دیئے
ہر سربلند کو تہِ شمشیر کر لیا — آئینِ حق نے دہر کو تسخیر کر لیا

دُنیائے درد خرم و دل شاد ہو گئی
تو بھی قیودِ جبر سے آزاد ہو گئی

قربان تو بھی ہو اُسی آقا کے نام پر — احسان ہیں جسکی ذات کے ہر خاص و عام پر
اُٹھ کر حصیرِ خاک سے افلاک گیر ہو — عصمت کی بارگاہ میں مریمؑ نظیر ہو
صحرائے گرد و بار میں راہِ صفا پہ چل — خیر النساءؑ کے اُسوۂ منزل نما پہ چل
آغوشِ مادری سے وہ شیرِ الست دے — جو لشکرِ مہیب کو تنہا شکست دے
درویش کی قبا میں جو اسکندری کرے — خنجر کے سائے میں بھی جبیں گستری کرے

جسکے لہو سے رُوئے زمیں لالہ زار ہو
جو کربلا میں دینِ خدا پر نثار ہو

مہر

ارمانِ عشق

رخصت اے ہندوستاں سوئے عرب جاتا ہوں میں
گو وطن ہے تو تیری نسبت سے شرماتا ہوں میں

شمع افسردہ ہے تو بیگانۂ سامانِ سوز
آہ! میں پروانہ مشرب کشتۂ ارمانِ سوز

تیری وسعت میں جنوں کی پردہ داری چاہیے
میرے دستِ شوق کو بے اختیاری چاہیے

تیری کلیوں کی ہے زینت اُلفتِ دامانِ غیر
اور میں آتش بجاں شعلہ زن دُکانِ غیر

جاں بدن میں گو تیرے باقی ہے دل باقی نہیں
یعنی میخانہ بھی ہے بادہ بھی ہے ساقی نہیں

لے کے شمع سوزِ غم جاتا ہوں دشتِ خار میں
کیا سراغِ ناقۂ لیلےٰ ملے گلزار میں

تیری غیرت سوز آبادی سے گھبراتا ہوں میں
رخصت اے ہندوستاں سوئے عرب جاتا ہوں میں

اب رہوں گا جا کے میں اُس سرزمینِ پاک میں
سو رہے ہیں سرورِ لولاک جسکی خاک میں

جس کے ذرّے عرش کی آنکھوں کے تارے بن گئے
میرے دل میں زندگانی کے شرارے بن گئے

ہے ہوائے گرم جسکی روحِ عشق و جانِ عشق
اے خوشا پیمانِ اُلفت اے خوشا ارمانِ عشق

نشتر

ایثارِ نبوی

پیکرِ اُنس و محبّت تھے وہ محبوبِ خدا ہیکلِ حلم و تواضع تھے وہ عالی فطرت
مرحبا صورتِ حسنیٰ کہ ہوں یوسف حیراں حبّذا سیرتِ علیا کہ کریں غیر صفت
یوں تو اولاد پہ وہ جان چھڑکتے تھے مگر بالخصوص آپکو زہراؑ سے بہت تھی اُلفت
اُنکے آنے پہ محبت سے کھڑے ہو جاتے بوسہ پیشانی پہ دیتے تھے بہ طورِ شفقت
حسنِ اخلاق کے زیور سے مزیّن کر دے حق نے ایثار کا پہنایا نبیؐ کو خلعت
حاضرِ خدمتِ اقدس ہوئیں اک دن زہراؑ عرض کی ہاتھ ہے تنگ اور ہوں وقفِ عسرت
اب کی غزوہ میں کنیزیں تو بہت آئی ہیں ایک مجھکو بھی عنایت ہو برائے خدمت
ہوا ارشاد کہ وہ لے چکے سب بدر کے لوگ حق یتیموں کا زیادہ تھا تمہاری نسبت

یہ ہے ایثارِ محمدؐ کی اک ادنیٰ سی مثال
ذرہ بیں آنکھ کو دیتی ہے جو درسِ حیرت

سلامِ نیاز

بہ حضورِ شاہِ حجاز

السّلام اے رہبرِ راہِ حجاز اے جبیں سائے درِ شاہِ حجاز

الفراق اے گُل بداماں عندلیب ‏ اے ترنّم ریز گلزارِ حبیبؐ
تو ہے اُس وادی میں سرمستِ خرام ‏ جسکے ذرّے ہیں خدا سے ہمکلام
جسکو محبوبِ خدا پر ناز ہے ‏ عرش جسکا فرش پا انداز ہے
جسکے ویرانے ہیں رشکِ صد بہار ‏ حُسنِ فطرت کی ہے جو آئینہ دار

جسکے صحرا ہیں سراپا جانِ عشق
عقل نے باندھا جہاں پیمانِ عشق

جب رسائی ہو تری اے خوش گہر ‏ آستانِ سرورِ لولاک ؐ پر
عرض کرنا اِک فقیرِ بے نوا ‏ ہند کے زنداں میں ہے صیدِ بلا
وقفِ غم ہے - موردِ آلام ہے ‏ پائمالِ جورِ صبح و شام ہے
اشک ہے حسرت کشِ دانائے راز ‏ زخمِ دِل کو ہے تلاشِ چارہ ساز
اک مسافر ہے مگر منزل سے دُور ‏ ایک کشتی ہے مگر ساحل سے دُور
ایک مجنوں ہے مگر محمل سے دُور ‏ شمع روشن ہے مگر محفل سے دُور
اک چمن ہے باغباں نا آشنا ‏ ایک بلبل آشیاں نا آشنا

اِک بصیری ہے ردا سے بے نصیب
طور ہے لیکن ضیا سے بے نصیب

تحفہ شایانِ شاں کوئی نہیں ‏ پاس میرے ارمغاں کوئی نہیں
اور میرے دامنِ تر میں ہے کیا ‏ قطرۂ اشکِ ندامت کے سوا
بوسہ دے کر آستانِ شاہ پر ‏ میری جانب سے بس اتنا عرض کر
آرزوئے دید میں ہوں بیقرار ‏ اب ہوائے ہند ہے نا سازگار

اے خوش آں روزے کہ در یثرب رسم
می رسد بر عرش بختِ نارسم

سیماب

ایثارِ بتول

ہونے کو سینکڑوں ہوئیں دُنیا میں عورتیں
ایثارِ فاطمہ رض کی نہ لیکن ملی مثال
محرُوم کوئی بھی نہ پھرا دَر سے آپ کے
سائل کا آپ نے نہ کبھی رَد کیا سوال
کھانے سے پہلے دیکھتیں جا کر پڑوس میں
بھُوکا پیاسا ہو نہ کوئی اور خستہ حال
فاقے سے دیکھتی تھیں کسی کو اگر کبھی
پہلے اُسے کھلاتی تھیں زہرا رض خوش خصال
اس خُلق اس عطا کی مدینہ میں دھوم تھی
پڑھتا تھا کلمہ آپ کا ہر پیر و خورد سال

اک روز خدمتِ شہِ طیبہ میں اک گدا
آیا اور اتفاق سے موجود تھا نہ مال
فرمایا اُس سے آپ نے زہرا رض کے پاس جا
اور اُس سے جا کے نامِ خدا کر کوئی سوال
مجبور ہوں کہ کچھ نہیں اس وقت میرے پاس
مسرور ہوں کہ دیگی ترا حال وہ سنبھال
القصہ آیا خدمتِ زہرا رض میں وہ فقیر
اور دی صدا کہ "فاطمہ رض بی بی جیئیں یہ لال

بھوکا ہوں دن کا اور غمزدۂ روزگار ہوں
للہ کرو و زخمِ مصیبت کا اندمال

سنکر صدا فقیر کی گھبرائیں فاطمہؓ
سوچا کہ آج گھر میں نہ آٹا ہے اور نہ دال

دو روز ہو گئے کہ ہے فاقہ سے گھر کا گھر
بچوں کا میرے بھوک کے مارے ہے جی نڈھال

لیکن فقیر غمزدۂ روزگار ہے
دونگی جواب صاف تو ہو گا بڑا خیال

دیکھا اِدھر اُدھر جو اُٹھا کر نگاہ کو
آئی نظر پڑی ہوئی مینڈھے کی ایک کھال

سوتے تھے اُسپہ رات کو آکر حسنؓ حسینؓ
نورِ نگاہِ مرتضوی فاطمہؓ کے لال

لا کر وہ کھال آپنے اُس سے کہا کہ لے
اللہ اور دیگا وہ ہے رازقِ تعالٰی

بولا فقیر کھال ہے موزوں لباس کو
اور اس سے پہلے بھوک کا میں نے کیا سوال

کھانا نہ پیٹ میں ہو تو کپڑوں کی فکر کیا
کھانا بھی ہو عطا تو پھر احسان ہو کمال

یہ سنکے اپنی کنٹھی اُتاری بتولؓ نے
جو ہدیتاً کسی نے ابھی دی تھی بےمثال

کہنے لگیں کہ لے مری کنٹھی یہ بیچکر
قیمت جو کچھ ملے اُسے کیسے میں اپنے ڈال

کھاپی کھلا پلا جو ترے جی میں آئے کر
بابا خدا کے نام پہ حاضر ہے جان و مال

استغاثہ

اے کہ ہے زینتِ اسلام تمہارے دم سے
اے کہ اللہ کا ہے نام تمہارے دم سے

اے کہ ہے بارشِ اکرام تمہارے دم سے
اے کہ ہر دِل کو ہے آرام تمہارے دم سے

وجہِ آسائشِ ہر قلبِ پریشاں تم ہو

رشک ہے جس پہ فرشتوں کو وہ انساں تم ہو

مظہرِ ذاتِ خدا، مصدرِ اسرارِ خدا
منبع نورِ خدا، مشرقِ انوارِ خدا
مخزنِ صدق و صفا، معدنِ آثارِ خدا
مرکزِ جود و سخا، باعثِ اظہارِ خدا

ناز کرتی ہے خدائی میں نبوّت تم پر
تم ہو ایسے کہ ہوئی ختم رسالت تم پر

آپ کے دم سے تھی گلریز بہارِ اسلام
نظر افروز ہوئے نقش و نگارِ اسلام
ہر طرف ہوگیا مقبول وقارِ اسلام
ہوگیا کفر بھی سو جاں سے نثارِ اسلام

پھول وحدت کے کھلے کفر کے ویرانوں میں
"اللہ اللہ" کی صدا آنے لگی کانوں میں

ہیبت و سطوتِ اسلام کی بجلی چمکی
کچھ سے کچھ ہوگیا، بدلی وہ ہوا عالم کی
موج طوفان بنی اسلام کے ہر پرچم کی
اڑ گئے ہوش ہبل لات نے گردن خم کی

ہو کے مجبور کلیسا کا خدا بیٹھ گیا
اور ناقوس کا مندر میں گلا بیٹھ گیا

آتشِ شوق میں جلنے لگے ہمّت والے
مثلِ پروانہ ہوئے جمع محبت والے
ہر طرف سینکڑوں منظر تھے مسرّت والے
اینڈتے پھرتے تھے اسلام کی دولت والے

جتنے متوالے تھے اُن سب کے تمہیں ساقی تھے
مست تھے وہ بھی جو بے کیف کہیں باقی تھے

آپ کے جاتے ہی دنیا پہ مصیبت آئی
ایک آفت جو گئی دوسری آفت آئی
آہ بربادیٔ اسلام کی نوبت آئی
جسکی امید نہ تھی ہم کو وہ ساعت آئی

قصرِ ملّت کے در و بام پہ بجلی ٹوٹی
چمنِ تازۂ اسلام پہ بجلی ٹوٹی

ہائے رُخصت جو ہُوا جاہ و جلالِ اسلام — رہ گیا بے ثمر و برگ نہالِ اسلام
جو مُسلمان ہیں ان کو ہے ملالِ اسلام — کسے معلوم ہے کیا ہوگا مآلِ اسلام

کیا ہے منظورِ نہیں یا شہِ دیں کیا معلوم؟
خامشی کی ہے یہ حالت تو نتیجہ معلوم!

وہ ہی ٹرکی جو کبھی رُوم بھی کہلاتا تھا — نام سے جسکے دِل اغیار کا تھرّاتا تھا
مدتوں سے جسے "بیمار" کہا جاتا تھا — اشک بھر آتے تھے جب ذکر کبھی آتا تھا

آہ اب ماتمِ رخصت اُسی بیمار کا ہے
حال صدمے سی بُرا قومِ دلِ افگار کا ہے

مَیں نے فریاد میں رو رو کے گذارش کی تھی — کہ بڑی طرح بُرائی پہ اڑا ہی اٹلی
داد فریاد کی لیکن مجھے ابتک نہ ملی — داد تو داد، توجہ بھی نہ سرکار نے کی

جاں بلب آمد و اُمید قرار آخر شد
وقت بگذشت و مریض آخر کار آخر شد[۱]

نام کو قبضۂ ٹرکی میں تھا قسطنطنیہ — ہائے کس طرح کریں ضبط کہ وہ بھی نہ رہا
واسطہ جنکو کسی معبد و مسجد سی نہ تھا — ہوگیا تختِ خلافت پہ بھی قبضہ اُن کا

لیگئے لُوٹ کے اغیار رہا کیا باقی

[۱] ہر طرف یاس کا سماں ہے +

رہ گیا ایک فقط نام خدا کا باقی

ہائے اِسلام کا اب کوئی سہارا نہ رہا صبر کی خوب کہی! صبر کا یارا نہ رہا
بیچ میں آگئے ہم، پاس کنارا نہ رہا جو خدا سب کا تھا۔ کیا اب وہ ہمارا نہ رہا

بیقراروں کو اثر وقتِ دعا بھول گیا
ابتو کہنے دو۔ کہ "بندوں کو خدا بھول گیا"

یہ بجا ہے کہ نہیں ہم سا گنہگار کوئی ہمکو مطلق نہیں نیکی سے سروکار کوئی
ہم میں فاسق ہر کوئی اور ہی میخوار کوئی نہیں جبروتِ الٰہی سے خبردار کوئی

مگر اغیار بھی اسبات میں کم ہم سے نہیں
اُنکے افراد بھی عادات میں کم ہم سے نہیں

ہاں مگر درد سے اسلام کے رنجور ہیں ہم اثر صدمۂ اسلام سے معمور ہیں ہم
ہیں گنہگار مگر دل سے تو مجبور ہیں ہم کیا کریں روضۂ انور سے تو دُور ہیں ہم

قُرب حاصل ہمیں ہوتا تو دکھا دیتے ہم
جالیاں تھام کے، دُنیا کو ہلا دیتے ہم

ہم ہیں خاکسترِ غم، سوزِ نہاں رکھتے ہیں بات کہنے کے لئے منہ میں زباں رکھتے ہیں
نذر کرنے کیلئے ہدیۂ جاں رکھتے ہیں۔ کوئی سُن لے تو عجب طرزِ بیاں رکھتے ہیں

نالہ کرنے پہ طبیعت جو ذرا آ جائے
تو گھڑی بھر میں قیامت کا مزا آجائے

ہند سے تیغ بکف سمتِ حجاز آئینگے حرمِ پاک میں پڑھنے کو نماز آئیں گے
مارتے مرتے ہوئے اہلِ نیاز آئیں گے ہم کبھی اپنے ارادے سے نہ باز آئیں گے

بجلیاں تیغ کی چمکینگی، جدہر برسیں گے
ہلگئے ہاتھ تو پھر خاک پہ سر برسیں گے

چوہدری خوشی محمد

جوگی

کل صبح کے مطلعِ تاباں سے جب عالم بُقعۂ نُور ہُوا
سب چاند ستارے ماند ہوئے خورشید کا نور ظہور ہُوا
مستانہ ہوائے گلشن تھی۔ جانانہ ادائے گلبُن تھی
ہر وادی وَادیئے ایمن تھی ہر کوہ پہ جلوہ طُور ہُوا
جب بادِ صبا مضراب بنی۔ ہر شاخِ نہال ارباب بنی
شمشاد و چنار ستار بنے ہر سرو وسمن طنبُور ہُوا،
سب طائر مل کر گانے لگے عُرفان کی تانیں اڑانے لگے
اشجار بھی وجدمیں آنے لگے دلکش وہ سماع طیور ہُوا
سبزے نے بساط بچھائی تھی اور بزمِ سرود سجائی تھی
بن میں گلشن میں آنگن میں فرشِ سنجاب وسمُور ہُوا

تھا دِلکش منظرِ وشت و جبل اور چال صبا کی مستانہ
اِس حال میں ایک پہاڑی پر جا نکلا ناظرؔ دیوانہ

چیلوں نے جھنڈے گاڑے تھے پربت پر چھاؤنی چھائی تھی
تھے خیمے ڈیرے بادل کے کہرے نے قنات لگائی تھی
یاں برف کے تودے گلتے تھے چاندی کے فوارے چلتے تھے
چشمے سیماب اُگلتے تھے ۔ نالوں نے دھوم مچائی تھی
یاں قلۂ کوہ پہ رہتا تھا اک مست قلندر بیراگی
تھی راکھ جٹوں میں جوگی کے اور انگ بھبوت رمائی تھی
تھا راکھ کا جوگی کا بستر اور راکھ کا پیراہن تن پر
تھی ایک لنگوٹی زیبِ کمر جو گھٹنوں تک لٹکائی تھی
سب خلقِ خدا سے بیگانہ وہ مست قلندر دیوانہ
بیٹھا تھا جوگی مستانہ ۔ آنکھوں میں مستی چھائی تھی
جوگی سے آنکھیں چار ہوئیں اور جھک کر میں نے سلام کیا
تب آنکھ اُٹھا کر ناظر سے یوں بن باسی نے کلام کیا

کیوں بابا ناحق جوگی کو تم کس لئے آکے ستاتے ہو
میں پنکھ پکھیرو بن باسی تم جال میں آن پھنساتے ہو
کوئی جھگڑا دال چپاتی کا ۔ کوئی دعوےٰ گھوڑے ہاتھی کا

کوئی شکوہ سنگی ساتھی کا تم ہم کو سنانے آتے ہو
ہم حرص و ہوا کو چھوڑ چکے اس نگری سے منہ موڑ چکے
ہم جو زنجیریں توڑ چکے۔ تم لا کے وہی پہناتے ہو
تم پوجا کرتے ہو دھن کی۔ ہم سیوا کرتے ہیں ساجن کی
ہم جوت جگاتے ہیں من کی تم اُس کو آ کے بجھاتے ہو
سنسار سے یاں مکھ پھیرا ہے من میں ساجن کا ڈیرا ہے
یاں آنکھ لڑی ہے پیتم سے تم کس سے آنکھ ملاتے ہو
اُس مست قلندر جوگی نے جب ناظر پر یہ عتاب کیا
کچھ دیر تو ہم خاموش رہے پھر جوگی سے یہ خطاب کیا
ہیں ہم پردیسی سیلانی مت ناحق طیش میں آ جوگی
ہم آئے تھے تیرے درشن کو چتوں پہ میل نہ لا جوگی
آبادی سے منہ پھیرا کیوں پربت میں کیا ہی ڈیرا کیوں
ہر محفل میں ہر منزل میں ہر دل میں ہے نورِ خدا جوگی
کیا مسجد میں کیا مندر میں سب جلوہ ہے وجہ اللہ کا
پربت میں نگر میں ساگر میں ہر اُترا ہے ہر جا جوگی
جی شہر میں خوب بہلتا ہے واں حسن پہ عشق مچلتا ہے
وہاں پریم کا ساگر چلتا ہے چل دل کی پیاس بجھا جوگی
وہاں دل کا غنچہ کھلتا ہے ہر رنگ میں موہن ملتا ہے
چل شہر میں سنکھ بجا جوگی بازار میں دھونی رما جوگی

اِن چکنی چپڑی باتوں سے مت جوگی کو پھسلا بابا۔
جو آگ بجھائی جنوں سے پھر اُس پہ نہ تیل گرا بابا
ہے شہروں میں غُل شور بہت اور حرص و ہوا کا زور بہت
بستے ہیں نگر میں چور بہت سادھو کی ہے بن میں جا بابا
ہے شہر میں شورشِ نفسانی۔ جنگل میں جلوۂ رُوحانی
ہے نگری ڈگری کثرت کی۔ بن وحدت کا دریا بابا،
ہم جنگل کے پھل کھاتے ہیں چشموں سے پیاس بجھاتے ہیں
راجا کے نہ دوارے جاتے ہیں پرجا کی نہیں پروا بابا
سر پر آکاش کا منڈل ہے دھرتی پہ سہانی مخمل ہے
دِن کو سورج کی محفل ہے شب کو تاروں کی سبھا بابا
جو جھوم کے یاں گھن آتے ہیں مستی کا رنگ جماتے ہیں
چشمے طنبور بجاتے ہیں۔ گاتی ہے ملار ہوا بابا
یہاں پنچھی مِل کر گاتے ہیں۔ پریتم کے سندیش سُناتے ہیں
یاں رُوپ الوکھ دکھاتے ہیں پھل پھول اور برگ گیا بابا
ہے پیٹ کا ہردم دھیان تمہیں اور یاد نہیں بھگوان تمہیں
سِل۔ پتھر۔ اینٹ۔ مکان تمہیں دیتے ہیں سکھی سے چھڑا بابا
تن من کو دھن میں لگاتے ہو۔ پریتم کو دل سے بُھلاتے ہو
ماٹی میں لعل گنواتے ہو تم بندۂ حرص و ہوا بابا

شاکر

زمزمۂ توحید

یہ سبزہ و گل یہ زمیں   یہ خیمۂ عرشِ بریں
یہ آفتابِ آتشیں   یہ نجم یہ ماہِ مبیں
مظہر تری قدرت کے ہیں
شاہد تری صنعت کے ہیں

اے صانعِ ارض و سما

تاباں جو یہ اجرام ہیں   روشن جو یہ اجسام ہیں
مینائے آتش فام ہیں   قدرت کے رنگیں جام ہیں
ان سب میں ہے نورِ ازل
ہے خالق صمد عزّ و جل

پرتو فگن جلوہ نما

یہ جنبشِ بادِ وزاں   یہ شوخیٔ آبِ رواں
یہ نکہتِ عنبر فشاں   یہ طائرانِ نغمہ خواں
اک اک میں قدرت ہے تری

کثرت میں وحدت ہی تری

خلاق بے چون و چرا

ہر سنگ میں تو ہی شرر　　ہر رنگ میں ہی جلوہ گر
ذرّوں میں تنویرِ سحر　　تاروں کے جھرمٹ میں قمر
آنکھوں میں تو ہے دل میں تو
لیلےٰ ہی ہر محفل میں تو

ہر شے میں جلوہ ہی ترا

تو رنگ افروزِ چمن　　تو جلوۂ سرو و سمن
تو رونقِ بزمِ کہن　　تو زیب شمعِ انجمن
اُف رے خود آرائی تری
اے شانِ یکتائی تری

آئینۂ وحدت نما

خلاق بے پایاں ہے تو　　آسائشِ دوراں ہے تو
ہر درد کا درماں ہے تو　　یعنی شکیبِ جاں ہے تو
اے چارہ ساز اے چارہ گر
اے چارۂ دردِ جگر

اے دردمندوں کی دوا

اے عفو بخشِ عاصیاں　　اے دستگیرِ بے کساں
رحمت ہی تیری بادباں　　شفقت ہی ساحل کا نشاں

تیرا کرم بادِ صبا
ہر کشتیِ بشکستہ کا
طوفاں میں تو ہے ناخدا

اے مرجعِ شاہ و گدا   اے خلق کے حاجت روا
اے گمرہوں کے رہ نما   اے ناتوانوں کے عصا

اے مونسِ رنج و الم
چارہ گرِ بیمارِ غم
چٹکی میں ہے تیری شفا

ہستی میں اک طوفاں ہی تو   ہر موج میں پنہاں ہی تو
اک قلزمِ جوشاں ہے تو   اک بحرِ بے پایاں ہے تو

مبدائے سرجوشِ عطا
تیری نہیں کچھ ابتدا
تیری نہیں کچھ انتہا

کہسار و دشت و بحر و بر   ارض و سما شمس و قمر
ہستیِ بے بودِ بشر   اک اک شجر اک اک حجر

تیرے سوا فانی ہیں سب
اے کردگارِ روز و شب
ہے اک فقط تجھ کو بقا

سورج نرائن

انعام الٰہی

جسکا ہوا دعا کو بلند ایک بار ہاتھ — نیچا ہوا نہ ہو کے کبھی شرمسار ہاتھ
تیرے کرم نے بڑھ کے وہیں تین چار ہاتھ — سائل کو دُور ہی سے صدا دی پسار ہاتھ
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

شرمِ برہنگی تھی شجر کو بہار سے — دستِ دعا بلند ہوئے شاخسار سے
یارب ہمیں بچائیو اس ننگ و عار سے — اور تو نے اُنکو لاد دیا برگ و بار سے
پھیلائے کیا کوئی مرے پروردگار ہاتھ
بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

کھولا تھا منہ صدف نے دُعا کیلئے وہاں — ابرِ کرم کو حکم اُسی دم ملا کہ ہاں
خالی نہ بارگاہ سے جائے یہ بے زباں — بھردو دُرِ خوش آب سے اِس کا ابھی دہاں

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ

بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

طوفان بادو موج میں ہے کون کارساز غوطے پہ غوطہ کھاتا ہی جب بحر میں جہاز

ہوتے ہیں ہاتھ سب تیری درگاہ میں دراز اور تو پناہ دیتا ہی ان سب کو بے نیاز

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ

بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

تیرے کرم پہ رکھ کے بھروسہ جہان نے بوئے تھے کھیت لطف کیا تیری شان نے

رحمت کی وہ لگائی جھڑی آسمان نے اک اک کے لاکھ لاکھ کمائے کسان نے

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ

بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

نعمت سی تو نے بھر دیا عالم کے خوان کو اور سیم وزر سے کردیا لبریز کان کو

تاروں کے تھال بھرکے دیئے آسمان کو رحمت ہی یا خدا تیری دینے کی شان کو

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ

بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

معمور مال سی ہیں خزانے اُجاڑ کے بھرپور سیم وزر سی ہیں دامن پہاڑ کے

دینے پہ تو جو آئے بنادے بگاڑ کے دے جس پہ تیرا فضل ہو چھپر کو پھاڑ کے

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ

بندے کا ایک ہاتھ ہی تیرے ہزار ہاتھ

یوں جبکہ فیض عام ہی مخلوق پر تیرا کیا تیری بارگاہ سے محروم جائیگا

اردو مرکز لاہور

حضرت سرور جہاں آبادی

یا مالک القلوب میرے دل کا مدعا روشن ہے تیری ذات پہ پھیلاؤں ہاتھ کیا

پھیلائے کیا کوئی میرے پروردگار ہاتھ

بندے کا ایک ہاتھ ہے تیرے ہزار ہاتھ

سرور جہاں آبادی

زمزمۂ توحید

تیری شمیم وحدت ہے ہر کلی میں پنہاں
ہر گل میں دیکھتا ہوں یارب بہار تیری
گردوں پہ مہر و مہ ہیں پرتو سے تیرے تاباں
تاروں کی روشنی ہے آئینہ دار تیری
ہر شے میں ہے تجلّی پروردگار تیری

تو شمع انجمن ہے اِس محفلِ کہن کی
اک بزمِ ناز تیری ہے تنگنائے ہستی
رونق ہے تیرے دم سے کاشانۂ چمن کی
کیا دشت و کوہ و ہاموں کیا شانِ اوج و پستی

قدرت ہر ایک شے سے ہے آشکار تیری

قالب میں رُوح کو ہے شوقِ وصال تیرا
سودا ہے جُبّہ سائی کا تیرے در پہ سر کو
خلوت نشیں کہاں ہے یارب جمال تیرا
دل کو تیری تمنّا ۔ حسرت تیری نظر کو
آنکھوں کو جُستجو ہے لیل و نہار تیری

آنکھوں کو روز و شب ہے دیر و حرم کا سودا
اور شوق کہہ رہا ہے تو ہے فضائے دل میں
باغِ بہشت کیسا ۔ کیسا ارم کا سودا
بے پردہ تو ہے یارب خلوت سرائے دلمیں
چھوٹی سی انجمن ہے یہ جانِ زار تیری

اے منعمِ حقیقی ۔ اے بیکسوں کے والی،
ہر دُکھ کی تو دوا ہے ہر درد کا ہے درماں
پُتلا بنا کے تو نے مٹی میں جان ڈالی،
بحرِ کرم کا تیرے یارب نہیں ہے پایاں
بندوں پہ اپنی شفقت ہے بیشمار تیری

وہ دِل ہو خون جس میں تیری نہ آرزو ہو
وہ آنکھ کور ہو جو تیری نہ ہو شناسا
ٹوٹیں وہ پاؤں جن کو تیری نہ جستجو ہو

پہلو میں دل ہے تیرا حسرت کشِ تمنا
قالب میں جانِ مضطر اُمیدوار تیری

ہر شاخِ بارور کو تو نے فروتنی دی
سبزہ کو دل فریبی پھولوں کو رنگ بُو دی
پروانے کو تپش دی۔ جگنو کو روشنی دی
بخشا صدف کو گوہر۔ گوہر کو آبرو دی
بخشش ہے عام سب پر آمرزگار تیری

مبدائے آفرینش یارب ہے ذات تیری
جلوے سے تیرے قائم ہے شانِ اوج و پستی
جلوہ گہِ ازل ہے یہ کائنات تیری
اے علتِ علل تو ہر چیز کی ہے ہستی
ہستی مگر ہے سب سے بیگانہ وار تیری

احمد حسین خان صاحب

حمد

اے مرے مہرِ منوّر کے بنانے والے　　　اے مرے چاند کا فانوس جلانیوالے

اے مرے چرخ ستاروں سے سجانیوالے　　آسماں آنکھ کی پتلی میں دکھانیوالے

مہر میں ماہ میں تاروں میں ضیا تیری ہے

آسماں تیرا۔ زمیں تیری۔ ہوا تیری ہے

تُو نے پھولوں کو جو دیکھا تو معطّر وہ ہوئے　　تو نے ہیروں کو جو دیکھا تو منوّر وہ ہوئے

جب فقیروں کو نوازا۔ تو سکندر وہ ہوئے　　تو نے چرواہوں کو چاہا۔ تو پیمبر وہ ہوئے

قطرہ رحمت سی تیری گوہرِ پُر نور ہوا

زیورِ تاجِ سرِ قیصر و فغفور ہوا

دیکھ کر برگِ گلستاں میں نشانی تیری　　اور دریاؤں کی لہروں میں روانی تیری

سُن کے مرغانِ خوش الحاں سی نشانی تیری　　پڑھ کے وعدے تیرے قرآں میں زبانی تیری

نورِ توحید اِن آنکھوں میں سما جاتا ہے

مجھ کو ہر بام پہ اِک طُور نظر آتا ہے

یاس کیوں چھیڑتی ہی آپ کے دیوانے کو　　رزق پتھر میں بھی کیڑوں کو مِلا کھانے کو

شمع کو سوز دیا۔ خامشی پروانے کو　　خاک میں آپنے سرسبز کیا دانے کو

میرے بھی نخلِ تمنّا کو ہرا اب کیجے

گلِ اُمید۔ ہمیں گوہرِ مقصد دیجے

دم بخود دیر سے ہُوں غنچۂ دلگیر ہوں مَیں　　بے نوا ہوں کہ کوئی بلبلِ تصویر ہوں مَیں

صاف کہتا ہوں نہیں قابلِ تدبیر ہوں میں　　شمعِ تقدیر کا پروانۂ تنویر ہوں مَیں

نگہِ ناز سے اب جلد اشارہ ہو جائے

کام اے کاتبِ تقدیر ہمارا ہو جائے

مہاراج بہادر صاحب برق

ہمہ اوست

وہی شعلۂ سرِ طور ہے وہی برقِ حسنِ نگار ہے
وہی ایک جلوۂ یار ہے وہی نور ہے وہی نار ہے
وہی جلوہ ریز حرم میں ہو وہی نورِ بینِ صنم میں ہے
وہی تم میں ہے وہی ہم میں ہے وہی سب کا دار و مدار ہے
وہی ضو فروز حیات ہے وہی عکس ریزِ صفات ہے
وہی نور جلوۂ ذات ہے وہی ایک برسرِ کار ہے
وہی رند جام بدست ہے وہی مست روزِ الست ہے
وہی کیف بادۂ ہست ہے وہی تلخئ و خمار ہے
وہی جلوہ ہے وہی جلوہ گر۔ وہی خود نما وہی خود نگر
وہی حسن ناز فروش ہے وہی رُخ پر اپنے نثار ہے
وہی ہے صفا وہی صدق ہے وہی حسن ہے وہی عشق ہے
وہی تاب بخشِ جمالِ گل وہی روحِ صوتِ ہزار ہے
وہی ہے فنا۔ وہی ہے بقا۔ وہی ابتدا، وہی انتہا

وُہی جزٗ میں ہے وہی کُل میں ہے وہی اصل و آخر کار ہے
وہی مہر ہے وہی ماہ ہے وہی برق چشمِ سیاہ ہے
وہی تابِ شعلۂ آہ ہے۔ وہی حُسنِ روئے شرار ہے

شانِ حق

شیرازہ بندِ دفترِ امکان ہے شانِ حق　　سرچشمۂ حیات ہے فیضِ روانِ حق
سیراب ابرِ لطف ہیں لبِ تشنگانِ حق　　ذرّے زبانِ حال سے ہیں ترجمانِ حق
حق کی صدا ہے پردۂ ہستی کے ساز میں
درپردہ بس رہی ہے حقیقت مجاز میں

زینت فزائے عالمِ اسباب ہے وہی　　شانِ فروغِ ماہِ نظر تاب ہے وہی
رنگینیٔ رُخِ گلِ شاداب ہے وہی　　ضوبخشِ برقِ غیرتِ سیماب ہے وہی
حق کی ضیاء سے نور کا مطلع جہاں ہے
ذرّوں میں آفتابِ درخشاں کی شان ہے

رُوئے مجاز عکس ہے حق کی صفات کا　　پرتو اسی آئینے میں ہے انوارِ ذات کا

حق اصلِ کُل ہے سلسلۂ کائنات کا
اعجازِ حق ہی رازِ طلسمِ حیات کا
ظلمت سرائے دہر میں ہے حق کی روشنی
جلوہ نشاں ہے قادرِ مطلق کی روشنی

زیبِ ریاضِ دہر اگر فیضِ حق نہ ہو
رنگیں کتابِ خندۂ گُل کا ورق نہ ہو
نیرنگِ ہفت رنگ بہارِ شفق نہ ہو
عالم فروز تابشِ مہرِ اُفق نہ ہو
اس تیرہ خاکداں میں برستا جو نور ہے
حق تو یہ ہے۔ یہ جلوہ حق کا ظہور ہے

دُنیا میں ذاتِ حق سے یہ سب بند و بست ہے
انجام حق ہی ہستیٔ فانی میں ہست ہے
کذب و ریا کو حق کے مقابل شکست ہے
تابش سے حق کی تیرگیٔ کفر پست ہے
رکھتا ہے اصل پیشِ حقیقت دروغ کیا
باطل کو حق کے سامنے ہوگا فروغ کیا

جلوۂ قدرت

یہ جانفزا نظارے یہ رنگِ باغِ جہاں
یہ صبح و شام کے جلوے یہ دلفریب سماں
یہ فرشِ خاک یہ گُلکاریاں یہ صحنِ چمن
یہ شمعِ انجمِ تاباں یہ سقفِ چرخِ کہن

یہ کشتِ زار یہ سبزہ یہ وادیٔ گل پوش   سکونِ دشت یہ صحرا کا منظرِ خاموش
فضائے دامنِ بُستاں یہ اوجِ کوہِ گراں   صفائے آئینہ آب۔ جوشِ سیلِ رواں

یہ آفتابِ لبِ بام و شامِ نورانی   یہ چرخ پر مہِ تاباں کی جلوہ افشانی
یہ شب کے پردے میں گوہر فشانئے شبنم   یہ نورِ صبح یہ تاروں کی محفل برہم

یہ سرد سرد ہوا موسمِ زمستاں کی   یہ عہدِ گل یہ فضا گلشن و بیاباں کی
نسیمِ صبح کے جھونکوں کی عطر افشانی   یہ طائرانِ نوازن کی زمزمہ خوانی

شبابِ فصلِ بہاری یہ جوشِ خندۂ گل   یہ جامِ غنچۂ نوخیز رشکِ ساغرِ مُل
یہ جھلملاتے ہوئے اوجِ چرخ پر تارے   سوادِ شام۔ بہارِ شفق کے نظارے

یہ قطرہ بارئے ابرِ کرم۔ یہ دل بادل   یہ کالی کالی گھٹائیں یہ برق کی مشعل
فرازِ کوہ سے گرنا یہ آبشاروں کا   اندھیری رات۔ یہ پانی میں عکس تاروں کا

یہ مُشتِ خاک یہ رنگینئ بہارِ شباب   یہ چشمِ مست یہ کیفیت خمارِ شباب
یہ بانکپن یہ ادائیں یہ جامہ زیبئ حُسن   یہ سوز و سازِ محبت یہ دلفریبئ حُسن

یہ سب کرشمے ہیں کس کے؟ خدا کی قدرت کے

یہ سارے جلوے ہیں کس کے؟ خدا کی قدرت کے

احسن مارہروی

نغمہ درگاہ الٰہی

تیرے گُن گانے کی حسرت کھینچ لائی ہے یہاں
میں بھی اِک گوشہ نشیں ہوں تیری بزمِ ناز میں
کام جز اِس کے نہیں ہے کچھ کہ یہ تارِ حیات
ٹوٹ کر بے مُدعا رِل جائیں تیرے ساز میں
نیم شب کے معبدِ تاریک میں گھڑیال جب
دہر میں خاموش عبادت کی صلائے عام دے
اے میرے معبُود تو اُس دم مجھے اپنے حضُور
نغمہ پردازی کا لُطفِ خاص سے پیغام دے

منشی احمد شجاع انصاری

آنکھیں میری تجھ کو ڈھونڈتی ہیں۔

تاروں بھری رات کی فضا میں　　مہتاب کی دلربا ضیا میں
معشوقۂ شب کی ہر ادا میں　　آنکھیں مری تجھ کو ڈہونڈتی ہیں

ہر پردۂ موجِ آب جو میں　　کوئل کے ترانہ ہائے کو میں
پھولوں کی ادائیں رنگ و بو میں　　آنکھیں مری تجھ کو ڈہونڈتی ہیں

ہر کاکلِ سنبلیں کے خم میں　　برقِ رخِ روشن صنم میں
جادوئے نگاہِ پُرستم میں　　آنکھیں مری تجھ کو ڈہونڈتی ہیں

ہر شاخ میں پھول میں ثمر میں　　ہر لعل و زمرد و گہر میں
ہر منظرِ کوہ و بحر و بر میں　　آنکھیں مری تجھ کو ڈہونڈتی ہیں

خورشید کے ذرّوں کی چمک میں　　گلہائے دمیدہ کی دمک میں

ہر غنچۂ باغ کی چٹک میں آنکھیں مری تجھ کو ڈہونڈتی ہیں

فریادِ دِل حزینِ نے میں شوخیِ سرود و رنگ مے میں
ہر نغمۂ دِل نشیں کی لے میں آنکھیں مری تجھ کو ڈہونڈتی ہیں

انوارِ جبینِ نازنیں میں تحریرِ نگاہِ سرگیں میں
ہر ایک مکاں میں ہر مکیں میں آنکھیں مری تجھکو ڈہونڈتی ہیں

عاشق کے نیازمند دِل میں رُخسارۂ ماہ وش کے تِل میں
آتش میں ہوا میں آب و گِل میں آنکھیں مری تجھ کو ڈہونڈتی ہیں

عبد السمیع پال صاحب اثر

صبح

آزادِ غمِ دہر سے ہی چہرۂ خنداں پروا ہی نہیں اسکی کہ گیسو ہیں پریشاں
کہتے ہیں کہ ہوتے ہیں حسیں رہزنِ ایماں یہ حُسن تو ایماں کا ہی سرچشمۂ حیواں
کیا سادہ و پُر لطف جمالِ سحری ہے

سب دشت و جبل حسن سے معمور ہوئے ہیں　　ذرّاتِ چمن غیرتِ صد طور ہوئے ہیں
پردے رخِ محبوب سے کیا دور ہوئے ہیں　　اشجار مئے نور سے مخمور ہوئے ہیں
قدرت کی صراحی مئے وحدت سے بھری ہے

شام

ظلمت نے کیا عالم امکاں کو جو تسخیر　　معمورۂ آفاق بنا درد کی تصویر
طاری ہے سکوں گویا ہر اک چیز ہے دلگیر　　خاموشئ عالم میں ہے تاثیر سی تاثیر
اس نغمۂ خاموش کی لے درد بھری ہے

جو نیلے سے آکاش پہ روشن ہیں ستارے　　کس حسن کے جلوے ہیں یہ بے سوز شرارے
مہتاب کی کرنیں ہیں کہ ہیں نور کے دھارے　　اندوہ رُبا۔ روح فزا ہیں یہ نظارے
کس شاہد محبوب کی یہ جلوہ گری ہے

ہو نور سحر کا۔ کہ سیاہی شبِ غم کی　　ہو نغمۂ مطرب کہ ہو صحرا کی خموشی
مہتابِ فلک پر ہو کہ ہو ابر میں بجلی　　جس چیز سے پوچھو وہ بصد ناز کہے گی
اے پوچھنے والے یہ تیری بے بصری ہے

زار

ترانۂ حمد

اے داورِ مہر و ماہ و اختر!　　اے خالقِ جسم و جانِ مضطر!

اے نکہتِ حسن و مشکِ سارا ! اے قوتِ عشق و سنگِ خارا !
اے تو کہ ہی عکس تیرا جان سوزا! اے تو کہ جھلک تیری دل افروزا!
اے تو کہ نگہ نہ تجھ کو پائے ! پائے بھی تو لوٹ کر نہ آئے !
تیرا ہے فلک زمیں ہے تیری وہ شئے نہیں جو نہیں ہی تیری
عالم کو کئے ہوئے ہے محصور اور دیکھو تو خود نظر سے مستور

فطرت ہے ترے قدم کا مظہر قدرت ہی ترے کرم کا منظر
پانی میں تیری روانیاں ہیں مٹی میں تری نشانیاں ہیں
گوہر کی چمک میں آب تیری جوہر کی دمک میں تاب تیری
محسوس ہی سب کو تیری ہستی باطل بھی ہے محوِ حق پرستی
لہروں میں خروش ہی کہ تو ہے ساحل بھی خموش ہے کہ تو ہے

حرم

جناب امیر بدایونی

کہہ رہا ہے حرم پاک باآوازِ بلند اہل اسلام پہ واجب ہی حفاظت میری
مَیں وہ ہوں جسکی طرف کرتے ہیں مسلم سجدہ سارے عالم میں مسلّم ہے فضیلت میری

میری ہستی بھی ہی مذہب کیلئے لعرِ وجود ‏ ‏ دین اسلام کا ہے رُکن زیارت میری
مَیں ہوں سلطانِ جہاں کچھ نہیں سلطانِ حجاز ‏ ‏ بادشاہوں کیلئے فخر ہے خدمت میری
جنگ سی بیَر ہے اَور امن کا شیدائی ہوں ‏ ‏ بخدا البغض و عداوت نہیں عادت میری
حج سے ثابت ہی مساوات کا مَیں حامی ہوں ‏ ‏ ایک ملبوس میں ہوتی ہی جماعت میری
ایک عبادت ہی نظارہ مرا مومن کیلئے ‏ ‏ قُبّۂ نورِ الٰہی ہے عمارت میری
بن گیا قبلۂ دیں شان کرم سے اُنکی ‏ ‏ تھی شہنشاہِ دو عالم کو رعایت میری
ابرھہ بھی مجھے پامال نہ کرنے پایا ‏ ‏ کی خداوندِ دو عالم نے اعانت میری
تم گراؤ گے نظر سے مجھے تو کیا ہوگا ‏ ‏ انبیاء کرتے چلے آئے ہیں عزت میری
دیکھتے ہو مجھے مٹتے ہوئے اور شرم نہیں ‏ ‏ پھر یہ کہتے ہو کہ ہی دل میں محبت میری
آج فریاد کو میری نہیں سُنتے نہ سُنو ‏ ‏ رنگ لائے گی قیامت میں شکایت میری
مَیں بھی جبتک ہوں کہ جبتک ہیں مسلماں موجود ‏ ‏ دین اسلام سے وابستہ ہی قسمت میری
کفر سے پاک کیا احمدِ مُرسل نے مجھے ‏ ‏ اہلِ اسلام پہ حجّت ہی طہارت میری
کیا یہ منظور ہے پھر کفر سے ہمساز رہوں ‏ ‏ لیکن اس بات پہ راضی نہیں غیرت میری
کفر جب یاں سے گیا حق نے یہ ارشاد کیا ‏ ‏ اب کبھی کفر سے ہوگی نہ معیّت میری
انقلابات سی مَیں نے نہ کبھی لغزش کی ‏ ‏ یاد ہے ارضِ تہامہ کو حکایت میری
مجھ کو اغیار نے بُتخانہ بنایا تھا مگر ‏ ‏ نہ ہوئی کفر سے ملوث طبیعت میری

مِٹ گیا مَیں تو ترس جاؤ گے دیدار کو تم
عمر بھر پھر نظر آئیگی نہ صورت میری

اُردو مرکز کی خدمات کے متعلّق

مشاہیر مُلک کی رائیں

خان بہادر ڈاکٹر سر محمد شفیع کے سی ایس آئی سی آئی ای

ایل ایل ڈی - ڈی لٹ سابق وزیر تعلیم گورنمنٹ ہند

مزنگ روڈ لاہور

۱۸؍ اکتوبر ۱۹۲۷ء

مَیں مولینا تاجور نجیب آبادی پروفیسر ڈی ایس کالج کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ کہ اُنھوں نے مجھے اردو مرکز کی مطبوعہ چند جلدیں ہدیہ کرکے اس بات کا موقعہ دیا کہ مَیں اس نئی تحریک کے مقاصد اور کام کے متعلق رائے قائم کرسکوں۔ یہ جلدیں اردو مرکز کے مقصدِ اوّل یعنے "اُردو لٹریچر کے ذخیرۂ بیکراں میں سے اس جاندار اور مفید حصّہ کو جو محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ حتیٰ الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلدات میں شائع کرنا" کے حصول میں احتیاط کے ساتھ مرتب کرنے کے بعد شایع کی گئی ہیں اور اردو لٹریچر میں یقیناً ایک قابل قدر رتبہ حاصل کریں گی۔ اُردو نظم و نثر میں سے جس طرح مضامین کا انتخاب کیا گیا ہے۔ وہ نہایت مستحسن ہے۔ اور ان اشاعات کو دلچسپ بنانے کے لئے مختلف مصنّفین اور شاعروں کی

خوشنما تصاویر مضامین کی خوبی کو دوبالا کرتی ہیں۔ میں اُردو مرکز کو اُن کے مساعی جمیلہ کی اس کامیاب ابتدا پر مبارک باد دیتا ہوں۔ میری رائے ناقص میں اہلِ زبان و دیگر شائقین اردو کا فرض ہے کہ اِس تحریک کو کامیاب بنانے میں امداد کریں۔

خان بہادر شیخ سر عبدالقادر بی اے بار ایٹ لاء

اُردو مرکز لائبریری

ادب اردو کے بہترین نمونے ایک سلسلہ کتب کی صورت میں شائع ہوئے ہیں۔ اور اِس سلسلے کا نام "اردو مرکز لائبریری" رکھا گیا ہے۔ نام تو ایسا خوبصورت نہیں۔ مگر سلسلہ خود بہت پسندیدہ ہے۔ کچھ عرصہ ہُوا۔ مولینا تاجور صاحب۔ نجیب آبادی کی کوشش سے ادیبوں کی ایک جماعت لاہور میں قائم ہوئی۔ جس نے یہ تہیہ کیا۔ کہ اردو نظم و نثر کے علمی و ادبی خزانے سے کچھ بے بہا چیزیں یکجا کر کے اردو خوان دنیا کے سامنے پیش کرے۔ اِس مرکز کا نام "اردو مرکز" تجویز ہُوا۔ صوبجات متحدہ سے بعض نامور ادیب بھی آکر مولینا تاجور اور ان کے رفقائے پنجاب کے شریک کار ہوئے۔ اور اُنہوں نے نہایت جانفشانی سے نظم و نثر کے عمدہ انتخابات فراہم کیئے۔ ان کی کوششوں کا نتیجہ فی الحال تیس جلدوں میں شائع ہُوا

ہے۔ ان میں ایک سلسلہ گیارہ جلدوں کا ہے جس میں مختصر فسانے یا فسانوں کے ٹکڑے ہیں۔ دوسرا سلسلہ تیرہ جلدوں کا ہے۔ اس میں مرثیوں کے ایسے حصّے ہیں۔ جو عام ادبی دلچسپی کے لحاظ سے نظم اردو کی جان ہیں۔ ۶ جلدیں دیگر اصناف نظم کے انتخابات کے لئے وقف کی گئی ہیں اور ایک جلد میں زمانۂ حال کے ایک نامی ادیب جناب جگت موہن لال صاحب رواںؔ کی رباعیات ہیں۔ ہر جلد بالاوسط کوئی ڈیڑھ سو صفحے کی کتاب ہے جس میں کاغذ کتابت اور چھپائی کی طرف خاص توجہ کی گئی ہے۔ اور ہر کتاب میں مشہور مصنّفین اردو کی تصویریں ہیں۔ جو اس کی دلآویزی کو بڑھاتی ہیں۔ ہر سلسلے کی پہلی جلد کے شروع میں اس مضمون کے متعلّق ایک دلچسپ دیباچہ ہے۔ اِن خصوصیات کے لحاظ سے "یہ لائبریری" اپنی طرز کا پہلا مجموعۂ کتب ہے جو ہندوستان میں شائع ہوا ہے امید ہے کہ صاحبانِ ذوق اسکی قدردانی میں ویسی ہی فراخ حوصلگی دکھائینگے جس قدر اسکے جمع کرنے والوں اور شائع کرنے والوں نے دکھائی ہے۔ اس کی اشاعت کا بوجھ تمام تر "میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز" کے علم دوست اور مستعد مالکان نے اپنے ذمّہ لیا ہے۔ اور اس سلسلے کو دل پذیر بنانے کے لئے انہوں نے دل کھول کر روپیہ خرچ کیا ہے۔ ادب اردو پر اُن کا یہ احسان قابل قدر ہے۔ اور مولینا تاجور اور ان کے رفقائے کار کی یہ ادبی خدمت اردو زبان کے سب دوستوں اور خیر خواہوں کے دلی شکریہ کی مستحق ہے۔

اُردو مرکز کے اراکین وقتاً فوقتاً اِس تجویز کے متعلق انتخابات کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیتے رہے ہیں اور گو مجھ سے کوئی معتدبہ خدمت اِن کی بن نہیں

پڑی۔ تاہم یہ میرے لئے باعث مسرت ہے۔ کہ ایسے مفید کام میں شرکت کا موقع مجھے بھی میسر آیا۔

خان بہادر نواب سید اشرف الدین احمد۔ سی آئی۔ ای۔

ممبر لیجسلیٹو اسمبلی۔ فیلو کلکتہ یونیورسٹی

ملک کی مشہور علمی سوسائٹی "اردو مرکز لاہور" آنریبل سر عبدالقادر کی زیر ہدایت اور پروفیسر تاجور ایڈیٹر اخبار اتحاد کی زیر نگرانی اردو زبان کی جو گراں مایہ خدمات انجام دے رہی ہے۔ قابل صد ہزار تحسین و آفرین ہے۔ تمام اردو لٹریچر کا ترتیب تاریخی کو ملحوظ رکھ کر انتخاب کرنا درحقیقت اردو زبان کا ایک مکمل اور جامع انسائیکلوپیڈیا مرتب کرنے کے ہم معنی ہے۔

اردو مرکز کا یہ علمی پروگرام نہایت شاندار ہے۔ مگر اس سے زیادہ شاندار جماعت اردو مرکز کا نمود و شہرت سے دور رہ کر اس کام کی تکمیل کے لئے خاموش انہماک ہے۔ اردو دنیا عام طور پر اردو مرکز کی ہستی سے اس لئے بے خبر تھی۔ کہ اس سوسائٹی کی جانب سے لمبے لمبے رعب انگیز اعلان نہیں شائع کئے گئے تھے۔ ان اعلانات کی بجائے اچانک اور غیر متوقع طور پر اس کے کام کی پہلی قسط تیس مجلدات کی صورت میں ملک کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ مجھے یہ مفید تالیفات دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی ہے۔ میں کہہ

سکتا ہوں کہ اردو مرکز اگر اپنی پوری زندگی میں بھی صرف یہی مجلدات شائع کرتا۔ تو وہ اپنے لئے عزّت دوام حاصل کرسکتا تھا۔ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں لٹریچر کا انتخاب درحقیقت اُن زبانوں کی زندگی کا حامل ہوا کرتا ہے۔ اردو مرکز کے انتخابی نظام کے ذریعے اردو زُبان کے شرائین میں روح زندگی پھونکی جارہی ہے۔

اردو ادب کے اس پروگرام کی تکمیل پر اندازہ ہوسکے گا کہ اردو زبان نے اپنے کس کس شعبے میں کیا کیا ترقیاں کی ہیں۔ اور کونسا شعبہ تشنۂ ارتقا ہے۔ اسی کے ساتھ اردو مصنفین اردو مرکز کے مجلدات کی موجودگی میں کتب خانوں کی حوصلہ شکن جستجو و تلاش سے بے نیاز ہوجائینگے۔ اردو دنیا اردو مرکز کی ان انمول اور بے پایاں خدمات کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اسی کے ساتھ میسرز عطرچند کپور اینڈ سنز کی فرم بھی جو اردو لٹریچر کے اس بے بہا انتخاب پر پانی کی طرح اپنا روپیہ صرف کررہی ہے۔ تمام ہی خواہان اردو کے شکریوں کی مستحق ہے۔

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی

۱۸ جنوری ۱۹۲۸ء

لاہور میں "اُردو مرکز" کے نام سے ایک علمی اکاڈمی قائم ہوئی ہے جس نے اُردو ادب کی خدمت کو اپنے ذمے لیا ہے۔ اِس اکاڈمی کے اراکین یوپی اور پنجاب کے بعض سرگرم ادیب اور شاعر ہیں۔ اپنے دائرۂ عمل میں انہوں نے اُردو ادب کی اشاعت کے کام کو سب سے

زیادہ اہمیت دی ہے چنانچہ اسوقت زرکثیر کے صرف سے انہوں نے ایک سلسلہ کتابوں کا شائع کرایا ہے جنمیں اُردو نظم و نثر کا عمدہ انتخاب مندرج ہے حصّۂ نظم کے سلسلے کا نام "پیامِ زندگی" ہے۔ اور اس سلسلے میں اب تک تیرہ جلدیں چھپی ہیں جن میں لکھنؤ کے مشہور اساتذہ کے مراثی کے انتخابات بلحاظ مضامین کیے گئے ہیں حصّۂ نثر کا سلسلہ "منتخب افسانے" کے نام سے موسوم ہے جس میں گیارہ جلدیں طبع ہوئی ہیں۔ اور ان میں زبان اُردو کے مشہور اور مستند افسانہ نویسوں کے نتائج طبع درج ہیں۔ میری رائے میں اس نظم و نثر کے انتخاب کرنے میں اراکین اُردو مرکز نے اپنی محنت اور عمدہ مذاق کا ثبوت دیا ہے۔ طباعت بھی اچھی ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ آیندہ جو سلسلے شائع ہونگے ان میں اُردو ادب کے دوسرے شعبوں کے انتخابات درج ہوں گے حتّٰی کہ علوم طبیعی اور فلسفی کو بھی شامل کیا جائے گا۔ میرے خیال میں یہ سلسلۂ کتب پبلک کیلئے مفید ثابت ہوگا۔ اور آئندہ خصوصاً نوجوانوں میں اُردو ادب کا اچھا اور صحیح مذاق پیدا کرے گا۔

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز جو اس سلسلۂ کتب کے پبلشر ہیں مستحق تحسین ہیں۔ کہ انہوں نے اشاعت کا سارا خرچ اپنے سر لیا ہے۔ اور اب تک وہ تیس جلدوں کی اشاعت میں (جیساکہ ممبران اردو مرکز کا بیان ہے) پچاس ہزار روپیہ کی خطیر رقم صرف کر چکے ہیں۔

علامہ ڈاکٹر عبداللہ یوسف علی ایم اے ایل ایل ایم ایل ایل ڈی

مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے۔ کہ اردو کی خدمت کے سلسلے میں اردو
مرکز قابل قدر خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اس کی مساعی جمیلہ کا پہلا نتیجہ دو
درجن سے زیادہ مجلدات کی صورت میں پبلک کے سامنے آ رہا ہے۔ اردو مرکز
کے اغراض کی پوری تفصیل اس کے چیف ایڈیٹر مولینا تاجور کے علاوہ مقدمے
میں درج ہے۔ جو ہر سلسلہ مجلدات کی پہلی جلد کے شروع میں درج کیا گیا ہے۔ مولینا
نے موثر الفاظ میں دکھلایا ہے۔ کہ اردو کی موجودہ حالت اس قدر گری ہوئی کیوں ہے
اس حالت کی اصلاح کے لئے انہوں نے جو تجویز سوچی ہے۔ وہ ہر طرح قابل
تعریف ہے۔

میں نے مختلف سلسلوں کی بعض کتابوں کا سرسری طور پر مطالعہ کیا ہے۔
منتخب افسانوں کے سلسلے میں گیارہ جلدیں تیار ہو چکی ہیں۔ ان میں مختلف مصنفوں
کے مختصر افسانے درج کئے گئے ہیں۔ اس سلسلے کی پہلی جلد میں ایک مقدمہ از جانب
کارکنان اردو مرکز دیا گیا ہے۔ جس میں افسانہ نگاری کی تاریخ اور ہندوستان میں
اس فن کے نشو و ارتقا نیز اس کی موجودہ حالت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ انتخاب
کے اصول اور طریقہ ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ کارکنان اردو مرکز نے بہت محنت و
جانفشانی سے موجودہ افسانہ نگاروں کی تصنیفات کا انتخاب ناظرین کیلئے مرتب کیا ہے
میری ذاتی رائے میں انکا طریقہ ترتیب کسی قدر قابل غور ہے۔ مگر ہر ذمہ دار جماعت
اپنے خاص اصول کے مطابق اپنی تالیفات کو ترتیب دے سکتی ہے۔ اور اس کے

اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے نتیجہ قابلِ اطمینان پایا جاتا ہے۔ اکثر مصنفین کی تصویریں بھی کتاب میں دی گئی ہیں +

صنفِ مراثی میں آٹھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اِس سلسلہ کے شروع میں مرثیہ گوئی کی اجمالی تاریخ اور مرثیہ کے عناصر ترکیبی پر مشتمل ایک مقدمہ درج ہے۔ ہر عنصر یا مضمون کے متعلق خاص خاص حصے منتخب کئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک جلد شہادت حضرت امام حسینؑ کے متعلق دوسری اور تیسری حضرت عباسؑ کے متعلق اور چوتھی اور پانچویں حضرت علی اکبر کے متعلق اور باقی تین جلدیں حضرات عون و محمدؑ اور حضرت حر کے متعلق مرتب ہو چکی ہیں +

ایک اور سلسلہ رباعیات کا ہے۔ جس کی پہلی جلد رباعیات رواں پر مشتمل ہے۔ اور کارکناں کا ارادہ ہے۔ کہ دوسرے شعرا کی رباعیات بھی پبلک کے سامنے پیش کی جائیں +

میری رائے میں اِن مختلف سلسلوں کی اشاعت سے اُردو کی بڑی خدمت سرانجام دی گئی ہے۔ انتخابات سے ناظرین میں اس امر کا میلان بھی پیدا ہوگا۔ کہ مختلف مصنفین کی مکمل تالیفات کا مطالعہ کیا جائے۔ اور اس طرح اُردو ادبیات کا پورا لطف اُٹھایا جائے۔ میری رائے میں اصل کتاب کا مطالعہ بہ مقابلہ انتخابات کے زیادہ پُراثر ہوتا ہے +

مجھکو اس امر سے بھی نہایت مسرت ہوئی۔ کہ اِن مجلدات کے پبلشرز میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز نے ایک کافی سرمایہ اس کام پر صرف کیا ہے اگر ان کی حوصلہ افزائی ہوئی تو آئندہ اِن سے اُردو کی خدمت کے متعلق اور بہت کچھ امید ہو سکتی ہے +

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔

9926

891.4311
ست مر

روحانیات جلد اول

کتب خانہ جامعہ عثمانیہ
۱۔ اراکین مجلس اعلیٰ، مجلس تعلیمی، مجلس انتظامی ... [illegible]
۲۔ اساتذہ جامعہ عثمانیہ و کلیات ... پانچ کتابیں ... رکھ سکیں گے
۳۔ طلبائے ... دو کتابیں ... رکھ سکیں گے
۴۔ مدت مقررہ ... ایک آنہ یومیہ فی کتاب جرمانہ لیا جائیگا
۵۔ ... [illegible]
۶۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان ... [illegible]
۷۔ قلمی نسخے ... جاری نہ کی جا سکیں گی فقط